مسلسل اشاعت کے سال چوالیسویں

بیاد شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ

دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کا علمی و دینی مجلہ

ماہنامہ الحق

526
جمادی الثانی ۱۴۳۰ھ
جون 2009

مدیر مسئول مولانا سمیع الحق

معاونین جامعہ دارالعلوم حقانیہ سے ایک ضروری

اپیل

محترم! دارالعلوم حقانیہ کی علمی، ملی و دینی ہمہ گیر خدمات سے بحمد اللہ آپ بخوبی واقف ہیں اور موجودہ پُرفتن دور میں ایسے مرکز علوم رسالت کی اہمیت وضرورت بھی آپ پر مخفی نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے دعوت وتبلیغ، تعلیم وتدریس، اصلاح وارشاد اور جہاد کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس کی ذمہ داری ملک و بیرون ملک فضلائے حقانیہ نے نہ سنبھالی ہو۔ صرف ایک جہاد افغانستان کو لیجئے تو دارالعلوم کے ہزاروں فضلاء اور طلباً نے اس صدی کے عظیم جہاد میں قائدانہ کردار ادا کیا جو تمام معاونین کے لئے تا قیامت صدقہ جاریہ بن رہا ہے۔

جامعہ حقانیہ اپنے تمام ترقی پذیر شعبوں میں خطیر مصارف (جو کہ تعمیراتی اخراجات کے علاوہ سالانہ واجبی مصارف دو کروڑ سے متجاوز ہیں) کا محتاج ہے جبکہ دارالعلوم حکومتوں کے تعاون سے بھی بالکل بے نیاز ہے اور نہ ہی اس کے باضابطہ مستقل سفراء ہیں، صرف اور صرف آپ جیسے حساس دردمند اہل خیر معاونین کے مالی تعاون سے یہ سارا کارخانہ علوم نبوت چل رہا ہے۔ جس میں ڈھائی ہزار تک طلباً علوم نبویہ سے ہر سال مستفید ہوتے ہیں۔ ایسے نازک وقت میں آپکی توجہات کی مزید شدت سے ہمیں ضرورت ہے کہ خود اور اپنے زیر اثر حلقہ احباب و اہل خیر میں بھی دارالعلوم کے مالی تعاون کے لئے سعی فرمائیں اور اللہ کے دین کے فروغ اور حق کی بالادستی کے لئے کوشاں اس ادارہ کی پہلے سے بڑھ چڑھ کر ہر ممکن تعاون اور سرپرستی سے ممنون فرمائیں۔ **واجرکم علی اللہ۔**

ترسیل زر کا پتہ

(مولانا) سمیع الحق

مہتمم دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع نوشہرہ

اکاؤنٹ نمبرز: یو بی ایل اکوڑہ خٹک 100-0001-7

نیشنل بینک اکوڑہ خٹک 5 - 17 ☆ مسلم کمرشل بینک جہانگیرہ 6 - 1120

Email: editor_alhaq@yahoo.com

اے بی سی آڈٹ بیورو سرکولیشن کی تصدیق شدہ لائبریری
29/7/09
K-6 اکوڑہ خٹک

جلد نمبر ۔۔۔۔ 44
شمارہ نمبر ۔۔۔۔ 09
جمادی الثانی ۔۔۔ ۱۴۳۰ھ
جون ۔۔۔۔۔ ۲۰۰۹ء

ماہنامہ الحق

مدیر اعلیٰ: حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ
نگران: حضرت مولانا انوار الحق صاحب مدظلہ
مدیر: حافظ راشد الحق سمیع حقانی

اس شمارے کے مضامین

ناظم شفیق الدین فاروقی

نقش آغاز :(ذاتی تاثرات) آہ! حضرت مولانا قاری سعید الرحمٰنؒ کی جدائی ..... راشد الحق سمیع ۲
نماز کے فضائل و مسائل حکمت وفلسفہ ..... حضرت مولانا انوار الحق صاحب ۷
عہد حاضر اور شریعت اسلامی علم کلام: عقیدہ وایمانیات کی علمی تشریح وتدوین..... ڈاکٹر محمود احمد غازی ۱۴
عہد طالبعلمی میں مولانا سمیع الحق مدظلہ کے علمی منتخبات ..... مولانا عرفان الحق ۳۰
حضرت مولانا محمد امین اورکزئیؒ شہید ایک عالم باعمل کی جدائی..... جناب پروفیسر ڈاکٹر محمد سلیم شاہ ۳۶
استخارہ سنت کے مطابق کیجیے ..... مولانا محمد عمر انور ۳۹
آزادی، مساوات، اتحادِ ادیان (خوشنما اصطلاحات) ..... مولانا حذیفہ وستانوی ۴۵
''پردہ میری زندگی سے الگ نہ ہونے والا حصہ ہے'' (مصری خاتون)..... جناب تنویر آفاقی ۴۸
فضلائے حقانیہ کی تالیفی، تصنیفی اور اشاعتی خدمات ..... مولانا سید حبیب اللہ شاہ حقانی ۵۲
دارالعلوم کے شب و روز ..... جناب شفیق الدین فاروقی ۵۷
تعارف تبصرہ کتب ..... ادارہ ۶۱

نوٹ: ادارہ کا مضمون نگار حضرات کے خیالات وآراء سے متفق ہونا ضروری نہیں۔

ماہنامہ الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع نوشہرہ (سرحد) پاکستان۔ فون نمبر 630340-630435(0923)
Fax(0923)630922 Email: editor_alhaq@yahoo.com
سالانہ بدل اشتراک اندرون ملک فی پرچہ -/25 روپے سالانہ -/250، بیرون ملک $25 امریکی ڈالر
پبلشر: مولانا سمیع الحق مہتمم دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک، منظور عام پریس پشاور
کمپوزنگ: بابر حنیف

نقش آغاز بسم اللہ الرحمن الرحیم راشد الحق سمیع حقانی

ذاتی تاثرات

آہ! حضرت مولانا قاری سعید الرحمٰنؒ کی جدائی

سال رواں اور خصوصاً گزشتہ ڈیڑھ ماہ پاکستان کے دینی و مذہبی حلقوں کے لئے بہت بھاری ثابت ہوا۔ ہر ہفتے میں کوئی نہ کوئی نامور علمی اور دینی شخصیت ہم سے اس میں بچھڑی۔ آسمان علم وادب کے بڑے بڑے آفتاب ومہتاب بحرِ فنا میں غروب ہوگئے۔ اکابرین امت کی ٹھنڈی چھاؤں ہمارے سروں سے رفتہ رفتہ کھسک رہی ہے۔ حزن و یاس کی ایک ماتمی فضا ہے جس میں ہر دن اضافہ ہی ہورہا ہے۔ علماء جو انبیاء کے وارثین ہیں' سے زمین خالی ہوتی جارہی ہے۔ پاکستان جو کبھی علم وادب کا سرچشمہ تھا آج زبان حال سے قحط الرجال کا واویلا کررہا ہے اور اب یہ محاورا حقیقت بن گیا ہے۔ آج راقم کے سامنے بجھے ہوئے چراغوں کی ایک قطار ہے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آرہا کہ اس گپ اندھیرے میں کس کس کی جدائی کا ذکر کروں؟ کسے مقدم کروں اور کسے مؤخر؟ ابھی تو عالم اسلام کے بہت ہی برگزیدہ اور روحانی شخصیت حضرت مولانا سرفراز خان صفدرؒ جو پورے مسلک کو یتیم چھوڑ کر چلے گئے تھے ان کے صدمے سے ابھی ہم باہر نہ نکلے تھے۔ اسی طرح صوبہ سرحد کی دیگر ممتاز شخصیات حضرت مولانا شمس الہادی صاحبؒ شاہ منصور اور حضرت مولانا اُسید اللہ صاحبؒ کے صدمات کے زخم بھی ابھی ہرے تھے اور ابھی تو پہلی صفِ غم بھی نہیں اٹھائی گئی تھی کہ کاتب تقدیر نے دوسری صفِ غم بچھادی۔ زندگی کی تھکی منزل سے کاروانِ آخرت میں نئے شامل ہونے والے مشاہیر اور علماء کے اسمائے گرامی یہ ہیں: ملک کی عظیم علمی و دینی شخصیت حضرت مولانا محمد احمدؒ (مہتمم دارالعلوم شیرگڑھ)' شہید حضرت مولانا محمد امین اورکزئیؒ' حضرت مولانا میاں بادشاہ گل جانؒ حضرت علامہ سرفراز نعیمیؒ جماعت اسلامی کے مرکزی رہنما میاں محمد طفیل اور شیخ الحدیث مولانا محمد ادریس کے والد حضرت مولانا عبدالحق حقانی (ترنگزئی) وغیرہ بھی اس قلیل عرصہ میں ہم سے بچھڑ گئے۔ ان للہ وانا الیہ راجعون۔

زمین لوگوں سے خالی ہورہی ہے یہ رنگ آسماں دیکھا نہ جائے

ابھی ان حضرات کی جدائی کا غم بھی تازہ تھا کہ دست اجل نے زخمی دلوں پر ایک اور غم کا کوہ گراں گرادیا۔ یہ جانکاہ حادثہ حضرت مولانا قاری سعید الرحمٰنؒ مہتمم جامعہ اسلامیہ راولپنڈی کا سانحہ ارتحال تھا۔ خوگر رنج طبیعت نے یوں تو ہمیشہ سے حادثوں اور اپنوں کی جدائی کا اثر لیا ہے اور ان پر تعزیتی اداریوں میں اپنے جذبات واحساسات کی صورت میں خون جگر سے ''نوحہ گری'' بھی کی ہے لیکن عم محترم حضرت مولانا قاری سعید الرحمٰن نوراللہ مرقدہ کے حادثہ نے تو خرمنِ عقل و خرد کی ساری جمع پونجی لمحہ بھر میں جلا ڈالی۔ آپ کی باکمال مشفق شخصیت پر تعزیتی کلمات لکھنا میرے لئے تقریباً ناممکن

ہو رہا ہے۔ واقعات اور یادوں کی ایک آبشار ہے جو دل و دماغ کے وادیوں میں ان دنوں مسلسل گر رہی ہے۔ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ حضرت قاری صاحبؒ کے متعلق کہاں سے آغاز کروں اور کس کس صفت اور کس کس کمال کا ذکر کروں اور کس کس کو روؤں؟ کیونکہ ؎ یہ نصف صدی کا قصہ ہے • دو چار برس کی بات نہیں

اسی باعث حضرت والد صاحب مدظلہ سے گزارش کی کہ آپ ہی اپنے زندگی بھر کے رفیق اور اپنے عظیم دوست کے بارے میں تعزیتی شذرہ اور اپنی کچھ یادیں تحریر فرمائیں لیکن حضرت والد صاحب مدظلہ نے فرمایا کہ اگرچہ قاری صاحبؒ کا حق تو یہی ہے کہ میں ان پر تفصیل سے لکھوں لیکن مجھ سے صدمے کی شدت کے باعث یہ کام تقریباً ناممکن ہے کہ اپنے ''زندہ جاوید'' دوست کو مردوں میں شمار کروں اور انہیں مرحوم لکھوں۔

حضرت قاری صاحبؒ جیسی مشفق' مہربان' ہردلعزیز' جامع الصفات والکمالات' مرنجانِ مرنج' علمی' سیاسی اور روحانی شخصیت کا بچھڑ جانا اور وہ بھی اس قحط الرجال زمانہ میں یقیناً یہ علمی و دینی حلقوں کے لئے تو ناقابل تلافی نقصان ہے ہی لیکن ہمارے خاندان اور خصوصاً حضرت والد صاحب مدظلہ اور راقم کے لئے یہ حادثہ زیادہ وحشت اثر ثابت ہوا۔ حضرت قاری صاحبؒ کے ساتھ والد ماجد مدظلہ اور دارالعلوم کا تعلق گزشتہ پچاس برسوں پر محیط ہے۔ حضرت والد صاحب مدظلہ اور قاری صاحبؒ کی دوستی سمندروں سے گہری اور ذہنی وفکری ہم آہنگی اور تعلق آسمانوں سے بھی زیادہ بلند و بالا تھا۔ جب سے شعور و ادراک سنبھالا تو کانوں میں حضرت قاری صاحبؒ کا نام ہی ہمیشہ والد صاحب مدظلہ اور گھر والوں سے سنا۔ پھر بچپن تو آپ ہی کی شفقتوں اور محبتوں کے گھنے سائے میں گزرا۔ آج بھی کانوں میں آپ کے مشفقانہ شہد بھرے کلمات رس گھول رہے ہیں اور آنکھوں میں آپ کی انتہائی متاثر کن خوبصورت نفاست و نزاکت والی تصویر چمک رہی ہے۔ داستانِ شفقت ومحبت کا ایک ایک صفحہ آنکھوں کے سامنے کھلتا چلا جا رہا ہے' جذبات کا ایک سیلِ رواں دل کی وسعتوں اور آنکھوں کی گہرائیوں میں سمایا نہیں جا رہا لیکن اپنا قلم اس قدر شکستہ اور دل برداشتہ ہو گیا ہے کہ وہ اس کی صحیح ترجمانی اور اس کی روانی کا حق ادا نہیں کر سکتا۔ ع قلم ایں جا رسید و سر بشکست

آپ کی شخصیت میں بلا کی کشش اور ہردلعزیزی تھی' قدرت نے آپ کو بڑی فیاضی سے خصوصی نعمتوں' صلاحیتوں اور کمالات سے مزین فرمایا تھا۔ خوبصورتی کی نعمت سے اس قدر آپ مالا مال تھے کہ بڑھاپے کے باوجود آپ کے ملکوتی خوبصورتی کے نقوش اور رنگ مرور زمانہ کے باعث پھیکے نہیں پڑے تھے بلکہ تقویٰ' روحانیت' درس حدیث اور سفید داڑھی کی بدولت اس میں نورانیت کا اضافہ ہو گیا تھا۔ اور پھر سفید کفن میں تو آپ کا چہرہ مبارک چودھویں کے چاند کو شرما رہا تھا اور چہرہ مبارک پر طمانیت اور اپنے رب سے ملاقات کی خوشی کے آثار کا مشاہدہ موقع پر موجود ہزاروں افراد نے کیا۔ حضرت قاری صاحبؒ اپنے عظیم والد شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالرحمٰن کاملپوریؒ (جسے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کامل پورے لکھتے تھے اور آپ کو بیعت سے قبل ہی اپنی خلافت سے نوازا

تھا جو آپ کیلئے خصوصی امتیاز تھا) کے ہمراہ اکوڑہ خٹک میں رہائش پذیر تھے۔ان دنوں حضرت مولانا عبدالرحمٰن کاملپوریؒ اکوڑہ خٹک کے جامعہ اسلامیہ میں استاذ حدیث تھے۔یہیں سے حضرت مولانا عبدالحق نوراللہ مرقدہ اور حضرت مولانا کاملپوریؒ کے درمیان تعلقات کا آغاز ہوا۔ پھر رفتہ رفتہ حضرت والد صاحب مدظلہ اور حضرت قاری صاحبؒ کے درمیان چونکہ ذہنی، فکری، علمی ہم آہنگی بھی تھی اور تقریباً دونوں ہم عمر بھی تھے۔اسی باعث تعلقات دن بدن مضبوط ہوتے گئے پھر بعد میں راولپنڈی کے کچھ مخلص حضرات کی خواہش پر شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق نوراللہ مرقدہ نے حضرت قاری صاحبؒ کو جامعہ الاسلامیہ راولپنڈی میں خطابت کے لئے روانہ کیا کہ راولپنڈی صدر جو درحقیقت پاکستان کا دارالخلافہ اور افواج پاکستان کے ہیڈ کوارٹر جی ایچ کیو کی وجہ سے قاری صاحبؒ جیسی شخصیت کا انتخاب نہایت دوررس نتائج کا حامل تھا، اسی وجہ سے ان کے ولی کامل والد حضرت مولانا عبدالرحمٰن کاملپوریؒ بھی شیخ الحدیثؒ کی سفارش اور مشورہ پر راضی ہوگئے۔گوکہ ابتداء میں قاری صاحب وہاں کے اجنبی ماحول اور شہری زندگی کے ہنگاموں اور علمی ماحول نہ ہونے کے باعث اکتا گئے تھے لیکن حضرت شیخ الحدیثؒ نے وہیں پر رہنے کی تلقین کی اور فرمایا کہ اللہ آپ سے مستقبل میں بڑا کام لے گا۔اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے جامعہ الاسلامیہ راولپنڈی ملک وملت کی تمام دینی تحریکات کا مرکز اور دینی شخصیات کا مسکن ومنبع بن گیا۔تمام دینی وسیاسی ملکی تحریکات کے لئے راولپنڈی میں حضرت قاری صاحبؒ ان کے میزبان بن گئے۔حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ، حضرت مولانا مفتی محمودؒ حضرت مولانا عبدالحقؒ، حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ اور دیگر چھوٹے بڑے قائدین یہیں حضرت قاری صاحبؒ کے ہاں دن رات ٹھہرنے لگے۔حالانکہ ان مقتدر شخصیات کے لئے اسلام آباد اور پنڈی میں بڑی بڑی اچھی رہائش گاہیں موجود تھیں لیکن یہ حضرت قاری صاحبؒ کی شخصیت کی برکت اور کشش تھی کہ سب اکابرین قاری صاحبؒ کی رہائش گاہ کو ترجیح دیتے تھے۔قاری صاحبؒ نے بھی ہمیشہ فراخ دلی اور وسعت ظرفی اور کھلے ماتھے سے ہمیشہ درجنوں مہمانوں کی سالہا سال ضیافت کی۔خود والد صاحب مدظلہ برسہا برس راولپنڈی میں انہی کے ہاں آتے جاتے رہے اور یہیں ٹھہرتے۔حضرت قاری صاحبؒ کو خدا نے بڑی جامعیت اور قبولیت سے نوازا تھا راولپنڈی اسلام آباد کے تمام مدارس اور علماء کو آپ نے ایک لڑی میں پرویا ہوا تھا۔بڑے بڑے بحرانوں میں آپ نے قائدانہ کردار ادا کیا۔ابھی حال ہی میں لال مسجد کے سانحہ کے موقع پر آپ کی دن رات کی مساعی اور اس حادثہ کو روکنے کیلئے آپ کی کوششیں کسی سے ڈھکی چھپی نہیں۔سیاست کے میدان کے بھی آپ شہسوار رہے۔جمعیت علماء اسلام (س) کے پلیٹ فارم سے الیکشن میں صوبائی نشست پر کامیابی ملی۔اور اسی کے کوٹے سے پنجاب کے صوبائی وزیر مذہبی امور بھی منتخب کئے گئے۔اس سے قبل مرحوم جنرل ضیاء الحق کے مجلس شوریٰ (پارلیمنٹ) کے رکن بھی رہے اور اپنی خداداد صلاحیتوں اور سحر انگیز تلاوت کے باعث جنرل ضیاء الحق آپ کے گرویدہ اور مداح ہوگئے۔ہر مجلس اور ہر تقریب کی تلاوت جنرل ضیاء الحق آپ ہی سے کراتے۔پھر بعد میں عورت کی سربراہی کے خلاف جو تحریک حضرت والد صاحب مدظلہ نے شروع کی وہ بھی حضرت

قاری صاحبؒ کے جامعہ اسلامیہ ہی سے شروع کی اور آپ نے اس تحریک میں بھی بھرپور حضرت والد مدظلہ کا ساتھ دیا۔اس کے بعد شریعت بل کے سلسلہ میں ملک بھر کے علماء کے کنونشن بھی اسی ادارہ میں ہوتے رہے' یہیں متحدہ شریعت محاذ تشکیل پایا جس کے صدر حضرت شیخ الحدیثؒ منتخب ہوئے۔گزشتہ دس پندرہ سال سے آپ سیاست سے تقریباً کنارہ کش ہوگئے تھے اور مکمل توجہ مدرسہ اور تدریس پر موقوف کردی تھی۔اس کے ساتھ ساتھ تزکیہ نفس اور سلوک واحسان کی شاہراہ پر اس قدر محوسفر ہوگئے کہ باقی ہر چیز کی کشش اور قدر واہمیت آپ کی نظروں میں نہ رہی۔راقم سے ہمیشہ یہی فرماتے کہ اب بڑے سکون اور اطمینان کے دور میں آ گیا ہوں۔اتفاق سے گزشتہ کچھ برسوں سے لیبیا اور افریقہ کے اسفار میں آپ کی معیت میں تقریباً ہر سال سفر پر جانا ہوا۔افریقہ کے سخت اور دشوار گزار اسفار میں آپ نے اتنی شفقتوں اور محبتوں سے اس ناکارہ کو نوازا کہ ساری تکالیف اور مشکلیں آپ کی بدولت مجھ پر آساں ہوگئیں۔سارے اسفار میں اپنے بڑے صاحبزادے برادرم مولانا عتیق الرحمٰن سے زیادہ میرا خیال فرماتے۔(''الحق'' کی ذمہ داریاں سنبھالنے اور اس ناکارہ کے پراگندہ خیالات ومضامین کے بارے میں آپ ہمیشہ مجھے خصوصی طور پر نوازتے اور اس قدر حوصلہ افزائی وتعریف فرماتے کہ میں انکی شفقت اور انکے نیک جذبات کے سامنے شرمندہ ہوجاتا۔یہ یقیناً آپکے بڑے پن کی ایک اور بڑی علامت تھی۔''الحق'' کیساتھ آپ کا بڑا پرانا رشتہ تھا۔ہمیشہ اس کیلئے مضامین لکھتے اور ہماری آخری ملاقات میں بھی ''الحق'' ہی زیر بحث رہا۔) اس قدر شفقت اور محبت فرماتے کہ میں حیران رہ جاتا۔آپ بزرگوں اور اکابرین کے اعلیٰ اخلاق کے اس زمانہ میں ایک بہترین آئیڈیل تھے۔میں نے کبھی ان کے منہ سے گالی یا کوئی سخت بات نہیں سنی۔ہمیشہ دھیمے انداز میں گفتگو فرماتے۔اکثر وبیشتر ملاقاتوں میں سب سے ہنسی مذاق کرتے۔بوجھل سے بوجھل طبیعت والا بھی ان کی مجلس کی بدولت خوش وخرم ہوجاتا۔لیکن اس کیساتھ ساتھ اللہ نے انہیں وقار' دبدبہ' متانت اور سنجیدگی سے بھی بڑا نوازا تھا۔اپنے بلند وبالا قد وقامت اور سنجیدگی کے باعث ہر شخص کی نظر آپکی طرف اٹھتی۔الغرض موت کی آندھیوں نے کہکشاں کا ایک ایسا روشن کوکب تاباں ہم سے ہمیشہ کیلئے چھین لیا ہے جس کی تلاش میں اب بہت سے چراغ تو کیا سورج بھی روشن کئے جائیں لیکن اب اس کا دیکھنا اور دوبارہ طلوع ہونا اب ناممکن ہے۔

آئے عشاق گئے وعدۂ فردا لیکر　　اب انہیں ڈھونڈ چراغ رخ زیبا لیکر

آپ کا نماز جنازہ تاریخی نوعیت تھا۔ہزاروں افراد ملک بھر سے امنڈ آئے تھے۔ہر شخص کی یہ خواہش تھی کہ وہ آپ جیسی بزرگ اور باکمال شخصیت کے جنازہ میں ضرور شرکت کرے۔برادرم مولانا عتیق الرحمٰن نے نماز جنازہ پڑھائی۔اس موقع پر آپ نے بڑے ضبط وصبر کا مظاہرہ کیا (ماشاء اللہ مولانا عتیق الرحمٰن اور مولانا محمد انس نے اپنے والد کی ان تین ماہ میں بے مثال خدمت کی۔دونوں صاحبزادے تقویٰ اور اعلیٰ اخلاق کے بہترین نمونے ہیں اور ان دونوں میں حضرت قاری صاحبؒ کا عکس صاف جھلکتا ہے۔اللہ تعالیٰ سے امید واثق ہے کہ انشاء اللہ یہ دونوں بھائی اپنے عظیم باپ کا نام مزید روشن کرنے کے باعث بنیں گے) جنازے کے بعد آپ کی تدفین اپنے عظیم والد حضرت

مولانا عبدالرحمٰن کاملپوریؒ کے پہلو میں رات دس بجے ہوئی۔ علم' تقویٰ' خلوص ومحبت کا آفتاب مٹی کے سپرد کئے جارہا تھا' نفاست کا آسمان زمین کی گہرائیوں میں اترا جارہا تھا۔ سسکیوں اور آنسوؤں کے چراغ ہرسو جل رہے تھے۔ قاری صاحبؒ کی طویل رفاقتوں کے امین مدرسے کے دو اساتذہ قاری محمد یعقوب صاحب اور قاری حبیب الرحمان نے تلاوت فرمائی۔ جس سے شدت غم کے اندھیروں میں کچھ کمی واقع ہوئی۔ پھر آپ کی قبر پر آپ کو خراج تحسین پیش کرنے کیلئے حضرت والد صاحب مدظلہ کو خطاب کے لئے بلایا گیا۔ معلوم نہیں کہ کس دل اور کس زبان سے آپکے منہ سے چند الوداعی کلمات خیر اپنے جگری دوست کے لئے ادا ہوئے۔ پھر بشری تقاضوں کے عین مطابق آپ کے صبر ووقار کے سارے بندھن اس موقع پر ٹوٹ گئے۔ عمر بھر کی دوستی اور پھر زندگی بھر کی جدائی کے احساس نے خطابت کے سارے جوہر کچھ دیر کیلئے بھلا دیئے۔ پھر سارا مجمع کسی شام غریباں کی مجلس کا منظر بن گیا۔

دل ہی تو ہے نہ سنگ وخشت درد سے بھر نہ آئے کیوں روئیں گے ہم ہزار بار کوئی ہمیں ستائے کیوں

حضرت والد صاحب مدظلہ نے متمم بن نویرہ کے اشعار آپ کی قبر کے سرہانے خون جگر کرکے پڑھے جو متمم نے اپنے بھائی مالک بن نویرہ کی جدائی میں کہے تھے:

وکنا کندمانی جذیمة حقبة من الدهر حتی قیل لن یتصدعا

فلما تفرقنا کانی و مالکاً بطول اجتماع لم نبت لیلة معا

اور یوں چشم فلک نے صدیوں بعد مالک اور متمم کی جدائی کا منظر دوبارہ دیکھا۔

جان کر منجملہء خاصانِ میخانہ مجھے مدتوں رویا کریں گے جام وپیمانہ مجھے

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ کے خطبات وافادات کا عظیم الشان مجموعہ علم وحکمت

دعوات حق (مکمل دو جلدوں میں)

مرتبہ **مولانا سمیع الحق** مدظلہ مہتمم دارالعلوم حقانیہ

نایاب ہونے کے بعد اب سہ بارہ شائع ہوگئی ہے۔ آج ہی حاصل کیجئے ورنہ اسکی نایابی پر ایک بار پھر افسوس کرنا پڑیگا

دعواتِ حق: ایک ایسا گنجینہ جسے اہل علم خطباً واعظین اور تعلیم یافتہ طبقہ نے ہاتھوں ہاتھ لیا اور قومی وملی پریس نے سراہا۔ جو ہر خطیب واعظ مقرر کے لئے پکی پکائی روٹی کا کام دیتا ہے جو رشد وہدایت احسان وسلوک کے متلاشیوں کیلئے شیخ کامل کا کام دیتا ہے۔ **دعواتِ حق:** دین شریعت اخلاق ومعاشرت علم وعمل عروج وزوال نبوت ورسالت شریعت وطریقت کے ہر ہر پہلو کو سمیٹے ہوئے ہے۔ **دعواتِ حق:** شیخ الحدیث محدث ومجاہد کبیر مولانا عبدالحقؒ کی عام فہم اور درد سوز میں ڈوبی ہوئی گفتگو اور خطابت کا ایسا مجموعہ ہے جو دلوں میں اتر کر یقین کو بیدار کرکے اصلاحی وایمانی انقلاب برپا کردیتا ہے۔

☆ فضلاً' علماً' طلباً اور اہل مدارس کیلئے خاص رعایت

☆ صفحات جلد اول: ۶۷۲' قیمت ۲۱۰ روپے' صفحات جلد دوم' ۵۰۲' قیمت ۱۶۵

موتمر المصنفین دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک' ضلع نوشہرہ' پشاور

سلسلہ خطبات جمعہ

شیخ الحدیث حضرت مولانا حافظ انوار الحق صاحب
ضبط وترتیب : حافظ محمد سلمان الحق انوار حقانی
مدرس دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک۔

نماز کے فضائل ومسائل

حکمت وفلسفہ' برکات وثمرات اور اجتماعی زندگی میں اثرات

نحمدہٗ و نصلی علی رسولہ الکریم امابعد فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم قل لعبادی الذین امنوا یقیموا الصلوۃ و ینفقوا مما رزقنھم سرا و علانیۃ من قبل ان یاتی یوم لا بیع فیہ و لا خلال (سورۃ ابراھیم آیت نمبر ۳۱)

ترجمہ: (اے رسول ﷺ) آپ مجھ پر ایمان لانے والے بندوں سے کہہ دیں کہ وہ نماز کی پابندی کریں اور خرچ کریں (میری راہ میں) وہ مال جو ہم نے ان کو دیا ہے (اس مال کا کچھ حصہ) خفیہ اور علانیہ طور پر۔ اس دن (یعنی قیامت) کے آنے سے پہلے پہلے کیونکہ اس دن نہ کوئی خرید وفروخت ہوگی اور نہ کسی کی دوستی کام آئے گی۔

نمازیں گناہوں کا کفارہ　　**وقال رسول اللہ ﷺ الصلوات الخمس والجمعۃ الی الجمعۃ کفارۃ لما بینھن مالم تغش الکبائر (رواہ الترمذی)**

ترجمہ: پانچوں نمازیں اور جمعہ سے جمعہ تک ان گناہوں کا کفارہ ہیں جو ان کے درمیان کسی شخص سے سرزد ہوں جب تک بڑے گناہوں (خصوصاً حقوق العباد کی ادائیگی میں کوتاہی جیسے جرائم ہیں) مبتلا نہ ہوا ہو۔

مقصد تخلیق کائنات: محترم سامعین آج اسلام کے ایک مہتم بالشان اور بنیادی ارکان میں اہم ترین رکن نماز کی اہمیت' فضیلت اور اس پر مرتب ہونے والے ثمرات کے سلسلہ میں مذکورہ بالا آیت کریمہ اور حدیث نبویؐ کی تلاوت کردی ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ اس کائنات اور اس میں پیدا ہونے والے بے شمار اشیاء مثلاً پہاڑ' دریا' جنگل' جمادات' نباتات' حیوانات' سیم وزر وغیرہ انسان کی خدمت کے لئے رب کائنات نے پیدا فرمائے۔ گویا اس سارے کائنات کا آخری مقصد انسان ہے' انسان ان تمام مخلوقات کو اپنی ضرورۃ کے مطابق استعمال میں لاکر ان سے مختلف الانواع فوائد حاصل کرتا ہے۔ تمام کائنات کی پیدائش انسان کے لئے کی گئی ہے۔ اب غور کی بات یہ ہے کہ انسان کے لئے جب اتنا عظیم کارخانہ عالم وجود میں آیا تو آخر اس انسان جو تمام مخلوقات میں اشرف وعظمت کی حیثیت حاصل کر چکا ہے۔

مقصد تخلیق انسان: اس کی تخلیق کا مقصد اور اس کی ڈیوٹی کیا ہے؟ وہ غرض خود خالق ومالک نے بیان فرمادی کہ

وما خلقت الجن والانس الا ليعبدون. مفہوم یہ ہے کہ میں نے انسان وجنات کو صرف عبادت کے لئے پیدا کیا۔ دنیا میں پیدا کی گئی ہر چیز اپنے اپنے انداز میں اپنے خالق ومالک کی تسبیح وعبادت میں مصروف رہتے ہیں۔

دنیا کی ہر شئے مصروف ذکر ہے:

فرمان باری ہے: وان من شئ الا يسبح بحمده ولكن لا تفقهون تسبيحهم (الایہ) مخلوقات کا ہر فرد اللہ کی حمد وثنا میں مصروف ہے۔ پرندے، چرندے، جمادات، نباتات، پہاڑ، دریا، زمین وآسمان تمام ذکر الٰہی میں مشغول ہیں

اگر چہ ہم ان کے ذکر واذکار، تسبیح وتقدس کرنے کے عمل سے ناآشنا ہے۔ یادرکھیں ہمارے کسی کی حال یا قال نہ سمجھنے سے یہ لازم نہیں ہوتا کہ وہ چیز اللہ کے ذکر سے غافل ہے۔ دنیا میں کئی زبانیں انسانوں میں مروج ہیں جن کو نہ ہم جانتے ہیں نہ سمجھ سکتے ہیں جس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ لوگ بولتے ہی نہیں۔ مگر انسان ودیگر مخلوقات کے عبادت میں فرق یہ ہے کہ انسان کے علاوہ مخلوقات میں جو عقل سے عاری ہیں، ان میں عبادات کا ذوق وشوق ان کے سرشت میں شامل اور فطری ہے، اور انسان جو عقل کے زیور سے آراستہ ہے۔

تارک صلوٰۃ مقصد تخلیق سے غداری کرتا ہے:

اس کی عبادت خصوصاً نماز اختیاری ہے۔ اگر اس نے اپنے اختیار کو غلط استعمال کرتے ہوئے نماز جیسے اہم عبادت کو ترک کر دیا تو اس نے اپنے مقصد تخلیق سے غداری اور بے وفائی کی۔ ہمیں نماز سیکھنے، سکھانے، پڑھنے کے لئے تربیت، ترغیب اور وعدہ وعید کی ضرورت ہے اور دیگر مخلوقات کو ان چیزوں کی ضرورت نہیں پڑتی۔ جیسے ہم پیدا ہوتے ہیں، سانس لینا شروع کر دیتے ہیں اس کیلئے کسی استاذ، واعظ اور ناصح کی تربیت نہیں ہوتی اسی طرح فرشتے اور مخلوقات کے عبادات بھی ان کے فطرت ہی کا حصہ ہیں۔ ہر مسلمان کو ترغیب اور حکم دیا گیا ہے

اولاد کو اہتمام صلوٰۃ کی تاکید:

عن عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده قال قال رسول الله ﷺ مروا اولادكم بالصلوة وهم ابناء سبع سنين واضربوا هم عليها وهم ابنأ عشر سنين. (رواه ابوداؤد)

''حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص آنحضرت ﷺ سے روایت کررہے ہیں کہ آپ نے فرمایا اپنی اولاد کو سات سال کی عمر میں نماز کا حکم دو۔ دس سال کی عمر میں (اگر نہ پڑھیں) تو پھر ان کو معمولی مارو۔''

اللہ کی ذات سب سے بالا برتر اس سے زیادہ عزت، عظمت والا کوئی نہیں، تمام تعریفات کی انتہا اس پر ہو چکی ہے، وہ کسی کا محتاج نہیں۔ ہر کوئی اسی کا محتاج ہے۔ وہ اگر کسی کو عزت، قدرت اور طاقت دینا چاہے، کوئی اس کو اس سے روک بھی نہیں سکتا۔ اور جس سے وہ طاقت وعزت لینا چاہے کوئی طاقت کائنات میں ایسی نہیں جو اس ذات عالی کو اپنے

ارادے سے روک دے۔ وہ تکبر اور اکڑ نے والے کو اوندھے منہ گرا کر جہنم کے نچلے طبقے میں پہونچا دیتا ہے مگر جو اس کے سامنے عجز' انکساری' تواضع اور خاکساری سے پیش ہوا اس کے درجات بڑھا دیتا ہے۔ جو مسلمان اس کے سامنے اپنے آپ کو عبد اور غلام کی حیثیت سے پیش کرے اس سے وہ بے انتہا خوش ہو کر مراتب عالیہ پر پہونچا دیتا ہے۔

نماز کی عظمت واہمیت:

نماز کی عظمت واہمیت بھی اور عبادات کے مقابلہ میں اس لئے زیادہ ہے کہ اس میں نمازی حد درجہ تذلیل' انکساری' اور عاجزی کی حیثیت سے مالک الملک کے سامنے پیش ہوتا ہے۔ نماز درحقیقت اپنے مولیٰ و مالک جل جلالہ' بندگی کا حق ادا کرنے کی انسانی کوشش ہے' کھڑے ہو کر ناف پر دست بستہ ہو کر ہاتھ باندھنا' رکوع کے لئے سر جھکانا' سجدہ کے وقت ناک و پیشانی زمین پر رکھنا اللہ کے کروڑوں انعامات کا شکر اور معبود ہونے کا عملی اقرار ہے۔ آپ نماز میں جو کچھ پڑھتے ہیں اور جن حرکات کا سامنا کرنا پڑتا ہے' ہر ایک پر غور کریں تو ساری کی ساری نماز اللہ کی کبریائی' وحدہ لاشریک ہونے اور نمازی کے تعلق مع اللہ ہونے کا واضح ثبوت ہے' مگر شرط یہ کہ نماز کی حالت میں جو اعمال ادا کئے جاتے ہیں ادائیگی کے وقت ربط و کنکشن بھی معبود کیساتھ قائم ہو تصور یہ ہو کہ میں بحیثیت مجرم اپنے مالک اور شہنشاہ حقیقی کے سامنے کھڑا ہوں۔

نماز تمام عبادات کی قبولیت کا مدار ہے:

نماز کے اسی اہمیت کے پیش نظر امیر المؤمنین سیدنا عمر بن الخطاب نے جو پہلا حکم نامہ جاری فرمایا وہی یہ تھا کہ **ان اهم امور دینکم عندی الصلوة فمن اقامها فقد اقام الدین ومن ضیعها فهو لما سواها اضیع**

ترجمہ: میرے نزدیک دینی امور میں سب سے زیادہ اہم امر نماز ہے۔ جس نے اس کی محافظت کی اس نے (اپنے) دین کو قائم رکھا اور جس نے نماز ضائع کی تو وہ دوسرے دینی کام اس سے بھی زیادہ ضائع کرنے والا ہوگا۔ حضرت عمرؓ کے فرمان کا خلاصہ یہ ہے کہ جس مسلمان کی نظر میں نماز جیسے بنیادی عبادت کی اہمیت نہ ہو' جبکہ اس کی ادائیگی کے لئے نہ کسی تھکاوٹ کی ضرورت پڑتی ہے نہ زیادہ وقت درکار ہے نہ مال خرچ کرنے اور قربانی کی ضرورت ہے' نہ اس کا پڑھنا کسی خاص مقام کے ساتھ مخصوص ہے' حضورؐ کے ارشاد کے مطابق کہ **جعلت لی الارض مسجدا و طهورا** . جہاں بھی پاک زمین میسر ہو نماز پڑھی اور پڑھائی جاسکتی ہے۔ سابقہ امم کو تو یہ سہولت بھی میسر نہ تھی۔ بلکہ عبادت کے لئے اپنے معابد میں ادائیگی لازمی تھی۔ اتنی سہولتوں کے باوجود بھی اگر کوئی بدقسمت نماز ادا کرنے میں لاپرواہی' سستی کا مظاہر کرے تو عبادات' معاملات و دیگر دینی امور میں تو اس سے بھی زیادہ لاپرواہی اور غفلت کا مظاہرہ کرے گا۔ اس سے آپ کو یہ بھی اندازہ ہوا ہوگا کہ دین کے دوسرے کاموں کے بقاء اور عدم کا دارومدار بھی اسی نماز پر ہے' نماز ہے تو باقی دین اور دینی احکامات بھی ہیں نماز نہیں تو کچھ بھی نہیں اگر کوئی یہ کہے کہ میں صرف نماز پڑھنے کا عادی نہیں' باقی تمام

دینی عبادات کی ادائیگی کا پابند ہوں' لہٰذا کسی کی ملامت کا مستحق نہیں ایسا شخص غلط اور خود ساختہ گمان میں مبتلا ہو کر اپنے دین و ایمان کی تضییع کر رہا ہے' یہ ایسی عبادت ہے جو بعض اعذار مخصوصہ جو عورتوں کے ساتھ خاص ہیں کے علاوہ ہر مرد و زن پر جب تک زندگی کی رمق باقی ہو ادائیگی لازمی ہے۔ اگر کھڑے ہو کر نہ پڑھ سکے بیٹھ کر پڑھے' بیٹھنا ممکن نہ ہو تو پہلو پر لیٹ کر سر کے اشارے سے ادا کرے۔ اس کی قدرت بھی نہ ہو تو پھر موخر کر دے۔ عذر جاری ہو تو نماز کا وقت داخل ہوتے ہی وضو کر کے عذر کی موجودگی کے باوجود اس وقت جتنی نمازیں پڑھنا چاہے پڑھ سکتا ہے۔

نماز درس مساوات:

اس عبادت میں نہ امیر و غریب کا فرق ہے نہ رنگ و نسل کا' دنیا کے کسی کونے میں رہنے والا مرد ہو یا عورت نماز کی ادائیگی اس کے لئے ضروری ہے۔ مسلمان و غیر مسلم کا فرق و امتیاز نماز ہی کے ذریعے ہوتا ہے اسی لئے سرکار دو عالم نے فرمایا:

عن جابرؓ قال قال رسول اللہ ﷺ بین العبد وبین الکفر ترک الصلوۃ (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت جابرؓ آنحضرت ﷺ سے روایت فرما رہے ہیں کہ آدمی کو کفر سے ملانے والی چیز نماز کا چھوڑ دینا ہے۔

یہی نماز تو مسلمان و غیر مسلم کے درمیان امتیاز اور فرق کا اہم ذریعہ ہے۔ مسلمان حی علی الصلوۃ اور حی الفلاح کی صدائیں سن کر نماز' مسجد جماعت اور صف اول کے حصول کے لئے دوڑتا ہے' اور کافر اپنے غلط عقیدہ اور بے بنیاد مذہب پر عمل کرتے ہوئے نماز جیسے ضروری عمل جو قیامت کے دن نور ہوگی سے محروم ہوگا۔

محترم حضرات آج تو بدقسمتی سے ہم مسلمان تو شکل وصورت ولباس میں غیر مسلموں سے مشابہت اختیار کر چکے ہیں۔ جس کی وجہ سے مسلمانوں کا کافروں سے فرق کرنا بھی مشکل ہو گیا۔ اگر جدائی کا یہی ذریعہ نماز ہم نے بھی ترک کر دیا تو پھر ہمارے اور غیر مسلموں کے درمیان حد بندی اور شناخت کا ذریعہ کیا رہے گا۔

سب سے پہلے نماز کے بارے میں پوچھا جائے گا: ارشاد نبوی ﷺ ہے:

اول مایحاسب بہ العبد یوم القیامۃ الصلوۃ فان صلحت صلح سائر وعملہ وان فسدت فسد سائر عملہ (طبرانی)

ترجمہ: قیامت کے دن (حقوق اللہ میں) سب سے پہلے باز پرس نماز کی ہوگی اگر نماز کا معاملہ درست (ثابت) ہوا (باقی) تمام اعمال وعبادات درست پائے جائینگے اگر نماز کا معاملہ درست نہ ہوا تو دیگر تمام اعمال بھی خراب ہوں گے۔

ایک اور مقام پر سرکار دو عالم نے سخت تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا:

ولادین لمن لاصلوۃ لہ' الماموضع الصلوۃ من الدین کموضع الرأس من الجسد

ترجمہ: اس (شخص) کا دین ہی نہیں جس کی نماز نہیں' دین میں نماز کو وہ حیثیت حاصل ہے جو کہ سر کو ایک جسم میں

ہے۔اگر سر نہیں تو کچھ بھی نہیں۔

یہ اسلام کا ایسا ستون ہے جس کے نعوذ باللہ گرانے اور پابندی نہ کرنے سے اسلام کی بلڈنگ کا پورا ڈھانچہ منہدم ہونے کے یقینی خطرہ سے دوچار ہوجاتا ہے

تارک صلوۃ کا حکم:

رب کائنات اور سرکار دو عالم کے نماز کے بارہ میں زوردار تاکیدات اور اصرار ہی کی وجہ ہے کہ فقہاء وعلمائے امت کا اجماعی فیصلہ ہے کہ جو شخص نماز کی فرضیت کا منکر ہو وہ اسلام سے خارج ہے۔اور جو فرض مانتے ہوئے بلا عذر قصداً اسے ترک کردے تو امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک ایسا شخص فاسق اور اس کی سزا اس کو قتل کرنا ہے۔البتہ امام ابوحنیفہ کے بقول ایسے فرد کی سزا دائمی جیل میں ڈالنا ہے کہ یا تو تائب ہوکر نماز پڑھنے پر آمادہ ہوجائے یا جیل ہی میں اسے موت اپنی لپیٹ میں لے لے۔امام احمدؒ کی بھی ایک روایت یہی ہے کہ عملاً بغیر عذر نماز نہ پڑھنے والا کافر ہے۔

حضرت عمرؓ کا اہتمام صلوٰۃ وارشاد:

حضرت عمرؓ جب زخمی ہونے کے بعد بے ہوش ہوئے' افاقہ ہونے پر کسی نے نماز کے بارہ میں عرض کردیا تو اس کی تائید میں آپؓ نے فرمایا: نعم ولاحظ فی الاسلام لمن ترک الصلوۃ ایسے شخص کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں جو نماز جیسے عظیم فریضہ کو چھوڑ دے۔سیدنا عمرؓ کی مرض وفات میں بھی نماز کی پابندی کی یہ حالت تھی کہ زخم سے خون رس رہا ہے' عذر دائمی میں مبتلا ہیں' مگر پابندی سے نماز پڑھنے کا سلسلہ تادفات جاری رکھا۔

نماز قرب کا وسیلہ ہے:

اس عبادت کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس میں بندہ اپنے رب کے قرب سے مالا مال ہوتا ہے۔اس لئے اسے مومن کے معراج کے نام سے یاد فرمایا گیا۔نمازی اگر نماز کے تمام شرائط کے ہوتے ہوئے نماز کے دوران یہ تصور واحساس دل وجان سے کرے کہ اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہے ہیں' ظاہر بات ہے اگر یہ تصور موجود رہے تو پھر رکوع وسجدہ بھی اطمینان سے ہوگا' خشوع وخضوع بھی ہوگا۔آج اگر ایک حاکم استاذ یا والد اپنے ماتحت' شاگرد یا بیٹے کو کسی کام کرنے کا حکم دے پھر اس محکوم کو یہ یقین بھی ہو کہ مجھے حکم دینے والا کام کرتے وقت مجھے دیکھ بھی رہا ہے۔تو کتنے احتیاط اور توجہ سے وہ یہ حکم بجالائے گا۔جب یہ عقیدہ ہو کہ میرا مالک حقیقی یعنی اللہ اس عبادت کو جو اس کے ساتھ تعلق کا مظہر اتم ہے کے ادائیگی میں اس کے سامنے دست بستہ کھڑا ہو یا رکوع وسجود میں ہو۔پھر اس نمازی کے نماز کا ایک ایک رکن بھی قابل رشک اور عنداللہ قبولیت کے بہت قریب ہوگا۔ایسے شخص کے رگ وریشہ میں پانچوں نمازوں کی پابندی' اوقات صلوۃ کا اہتمام رکوع وسجدہ اچھی طرح ادا کرنے کی عادت رچ بس جائے گی' یہی وہ نمازی ہے جس پر رب العالمین نے جہنم کی آگ حرام کرنے کی ذمہ داری لی ہے' دین سے اگر نماز کو جدا کیا جائے تو وہ مکمل دین نہ ہوگا بلکہ خالی جسد بلا

روح رہ جائے گا

نماز جہاد سے بھی افضل ہے: نماز کا درجہ انتہائی اہم ہونے ہی کی وجہ ہے کہ حضور سے پوچھا گیا۔

عن عبداللہ بن عمرؓ ان رجلا اتی رسول اللہ ﷺ فساله عن افضل الاعمال فقال رسولؐ الصلوة قال ثم مه قال ثم الصلوة قال ثم مه قال ثم الصلوة ثلاث مرات قال ثم مه قال الجهاد فی سبیل اللہ. (رواہ احمد)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر آنحضرت ﷺ سے روایت کررہے ہیں کہ ایک آدمی نے حضور کی خدمت میں آکر پوچھا (دین کے اعمال میں) کہ اعمال میں سب سے بہتر عمل کون سا ہے۔ رحمت دو عالم ﷺ نے فرمایا ''نماز'' انہوں نے پھر سوال کیا (نماز کے بعد) کون سا عمل (بہتر ہے) آنحضرت ﷺ نے دوبارہ فرمایا ''نماز'' (تیسری مرتبہ) اسی سائل نے پھر پوچھا۔ پھر کون سا عمل' مرشد انسانیت نے فرمایا ''نماز'' چوتھی مرتبہ پھر وہی سوال کیا کہ پھر کون سا عمل آپ ﷺ نے فرمایا جہاد یعنی علائے کلمہ اللہ کے لئے اللہ کی راہ میں جہاد۔

تینوں مرتبہ سائل کے سوال پر ختم الرسل کا نماز ذکر فرمانا اس کی اہمیت اور افادیت کا برملا اظہار ہے۔ غور وفکر کے لئے یہی کافی ہے کہ جہاد جیسی اہم عبادت جس میں انسان اپنی قیمتی متاع جان کو بھی گنوا دیتا ہے مگر عام حالات میں جان کی قربانی جیسے عظیم قربانی سے بھی صلوۃ کا درجہ اعلیٰ وافضل ہے۔ البتہ جب علمائے امت اور شرائع دین پر چلنے والے ارباب اقتدار خاص حالات میں جہاد عام جسے علماء کے اصطلاح میں نفیر عام کہا جاتا ہے اعلان کریں پھر جہاد لازم و فرض ہوکر بیٹے کو باپ اور بیوی کو خاوند سے جہاد میں شرکت کرنے کی اجازت بھی ضروری نہیں ہوتی۔ ان حالات میں اللہ کی راہ میں جہاد کی اہمیت اور فوقیت سے انکار اپنے دین کو برباد کرنے کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ اس راہ میں پھر سفر کرنا' خرچ کرنا' نیند' بیداری' پہرہ داری حتیٰ کہ ایک ایک لمحہ ساری رات کی عبادات' عمر بھر کے ذکر واذکار اور دینی معمولات سے کئی گنا زیادہ بہتر عبادت اور جنت میں داخلہ کا سرٹیفکیٹ اور پروانہ ہے۔

نماز عبدیت کا مظہر ہے:

اللہ جل جلالہ' کی صفات کمالیہ میں جلال و جمال بھی ہیں' دنیا میں رب العالمین کے تخلیق کردہ ہر چیز میں خیر وشر کے دونوں پہلو موجود ہیں۔ جہاں سرکشی اور نافرمانی موجود ہو تو اس کے اصلاح کے لئے صفت جلال کی موجودگی اہم تقاضا ہے اور جو لوگ خیر واطاعت کے جذبہ سے مالا مال اور اطاعت گزار ہوں ان کے لئے رحمت وشفقت کا مظاہرہ اور انعام واعزاز کا اظہار فرمایا گیا۔ مالک کائنات کے ان دونوں اہم صفات کے جو تقاضے تھے' انکے مطابق بنی آدم کو نماز ودیگر عبادت کا پابند کردیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ نماز جو کئی ارکان واعمال پر مشتمل عبادت ہے اسکے ہر عمل میں اللہ کی عبدیت' عجز وانکساری اور اپنے آپ کو حقیر وناچیز سمجھنے کا اظہار بدرجہ اتم موجود ہے۔ فقہاء وعلماء کے درمیان اس پر تو

اتفاق ہے کہ مکمل نماز میں نمازی اپنے انتہائی ادب اور اللہ وحدہ لاشریک کے نسبت سے زیادہ فضیلت و اہمیت کا حامل ہے' احادیث کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام اجزائے نماز کا ایک درجہ نہیں بلکہ ان میں تفاوت اور ہر ایک کے جدا جدا تاثیر و خصوصیات ہیں۔ مثلاً قیام جس میں قرأۃ قرآن کیا جاتا ہے' اس کے بارہ میں سردار انبیا ﷺ کا فرمان ہے۔

عن جابرؓ قال قال رسول الله ﷺ افضل الصلوة طول القنوت (رواه الترمذی و ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت جابرؓ آنحضرت ﷺ سے روایت کر رہے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ نماز کے اعمال میں سب سے بہتر عمل قیام کو طویل کرنا ہے۔

جو خوش قسمت باقاعدگی سے نماز ادا کرنے کے پابند ہیں ان کو معلوم ہے کہ قیام میں سورۃ فاتحہ اور قرآن پڑھا جاتا ہے' جتنا کھڑا ہونا یعنی قیام لمبا ہوگا اتنا قرآن کی تلاوت بھی زیادہ کرنے کا موقع ملے گا۔ قراءۃ قرآن کے ایک ایک لفظ پڑھنے پر جس اجر و انعام کا اللہ نے وعدہ فرمایا ہے۔ اگر ان کا تصور کیا جائے تو اس حیثیت سے قیام کا درجہ بھی اہم و افضل ہونے کا فرمان اپنی جگہ اہم اور رب العزت کے خوشنودی کا باعث ہے۔ اور ہاتھ سینے پر باندھ کر اس حالت میں کسی کے سامنے ادب و احترام سے کھڑے ہونے کو انتہائی عجز و انکساری سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

نماز کا ہر رکن رب کی حاکمیت اور بندہ کی عبدیت کا اظہار ہے:

اور پھر رکوع اور سجدہ میں تو انسان اپنے مکمل ذلت' کمزوری اور عجز و انکساری کا اظہار کر کے اللہ کی مالکیت اور قدرت کا برملا اعلان ہے۔ سر جو انسانی اعضاء میں انتہائی عزت و عظمت کی نشانی ہے۔ آدھے بدن سمیت سر کو اللہ کے حضور رکوع میں جھکا کر' ناک اور پیشانی کو زمین پر سجدہ میں رکھنا بھی احکم الحاکمین کے عظمت اس بات کا اعلان ہے کہ اللہ کی ذات سب سے اعلیٰ و برتر ہے۔ قعدہ میں اپنے تمام قولی' عملی اور مالی عبادات کو صرف اللہ کیلئے خاص کرنا' اور اس کے وحدہ لاشریک کی گواہی' سرکار دو عالم ﷺ کی نبوت و رسالت کا اقرار اور اس مقدس ہستی پر عجز و انکساری سے درود و سلام بھیجنا' اور آخر میں انتہائی خشوع و خضوع سے اپنے لئے دنیوی و اخروی سلامتی و عافیت کی دعا صرف اسی ذات باری تعالیٰ سے کرنا' یہ تمام ارکان بزبان حال و قال دلالت کر رہی ہیں کہ اس کا ہر رکن نمازی کی ذلت و مسکنت سے بھرپور اور اللہ کی صفات معبودیت' حاکمیت اور بادشاہت کا مکمل و اتم اظہار و اقرار اور اپنے حقیقی مولیٰ سے غلامی کا تعلق تازہ ہو جاتا ہے۔ نماز کی ادائیگی کا وقت ہو چکا ہے' ان شاء اللہ اگلے جمعہ مزید گزارشات عرض کرنے کی کوشش کروں گا' خصوصاً یہ کہ ایک آیت کریمہ میں نماز کی خاصیت بیان کی گئی ہے کہ نمازی نماز کی وجہ سے منکرات اور گناہوں سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ جبکہ ہم جیسے لوگ نماز ادا کر کے بھی گناہوں کی دلدل میں مزید دھنستے جا رہے ہیں۔ آخر کیوں۔ رب کائنات مجھے اور آپ کو نماز کی ادائیگی کی توفیق سے نواز کر اس کے حقیقی ثمرات اور اجور سے مالا مال فرمائیں آمین۔

آخری قسط

ڈاکٹر محمود احمد غازی
سابق وائس چانسلر بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی

عہد حاضر اور شریعت اسلامی

علم کلام: عقیدہ و ایمانیات کی علمی تشریح و تدوین

(زیر طبع کتاب کا ایک باب)

وفاقی شرعی عدالت کے سابق جج اور انٹرنیشنل یونیورسٹی اسلام آباد کے سابق چانسلر اور معروف اسکالر اسلامی ڈاکٹر محمود احمد غازی کی نئی زیر طبع کتاب ''عہدِ حاضر اور شریعتِ اسلامی'' کا ایک باب قارئین کی خدمت میں پیش کیا جارہا ہے۔ دراصل انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز - اسلام آباد نے گزشتہ برس ڈاکٹر محمود احمد غازی معروف اہلِ علم نے ان خطبات کو سُنا۔ انسٹیٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز نے ماہنامہ ''الحق'' کے لئے یہ اہم مضمون خصوصیت کے ساتھ بھیجا ہے۔ ادارہ ''الحق'' انسٹیٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز کے اس علمی تعاون کیلئے اس کا شکر گزار ہے۔ قارئین کے علمی ذوق اور معلومات کیلئے اہمیت کے ساتھ شامل اشاعت ہے۔ (مدیر)

سیدنا حضرت عمر فاروقؓ کا رویہ اس معاملے میں خاصا سخت تھا۔ انہوں نے ایک سے زائد مواقع پر اس طرح کی حرکت کرنے والوں کو سزا بھی دی۔ چنانچہ صبیغ نامی ایک شخص کا تذکرہ ملتا ہے جو سورہ مرسلات کے بارے میں سوالات اُٹھایا اور پھیلایا کرتا تھا۔ روایت میں ان سوالات کی وضاحت نہیں ملتی کہ وہ کس طرح کے سوالات تھے۔ لیکن وہ سوالات یقیناً ایسے تھے کہ جس سے شبہات تو پیدا ہوتے تھے، لیکن کسی حقیقی اعتراض کی نشان دہی نہیں ہوتی تھی۔ حضرت عمر فاروقؓ نے اس کو سمجھانے کی کوشش کی لیکن وہ باز نہیں آیا۔ سیدنا عمر فاروقؓ نے اس کو سزا دی اور اتنی سزا دی کہ عام حالات میں اتنی سزا دینے کا معمول نہیں تھا۔ اس طرح کے واقعات سیدنا علیؓ ابن ابی طالب کے زمانے میں بھی پیش آئے اور بقیہ صحابہؓ یا تابعین کے زمانے میں بھی ملتے ہیں۔ یہ سخت رویہ غالباً اس بات کو یقینی بنانے کے لیے تھا کہ دینی عقائد اور تعلیم کے باب میں محض سوال برائے سوال یا محض شبہ برائے شبہ کے رجحان کو اسلامی معاشرہ میں یا مسلمانوں کی علمی اور فکری زندگی میں پنپنے کی گنجائش نہ دی جائے۔

یہ بات کہ عقل اور نقل کے درمیان توازن کیسے پیدا کیا جائے؟ تمام کلامی مباحث کا اصل الاصول رہا اور بنیادی

سوال قرار پایا۔ بعض حضرات نے جن میں ہماری یونیورسٹی کے سابق صدر اور برادر ملک مصر کے صفِ اوّل کے مفکر ڈاکٹر حسن شافعی بھی شامل ہیں، اس اہم کلامی مسئلہ کے بارہ میں متکلمین کی آراء کا جائزہ لیا ہے۔ ڈاکٹر شافعی نے ایک کتاب میں متکلمین کی آراء اور رجحانات کے بارہ میں ایک نقشہ بھی بنایا ہے جس میں انہوں نے بتایا ہے کہ دوسری، تیسری اور چوتھی صدی ہجری میں جتنے کلامی مدارس پیدا ہوئے ان کا عقل اور نقل کے بارے میں کیا رویہ تھا۔ ایک انتہائی رویہ یہ ہوسکتا ہے کہ عقل کو سرے سے نظر انداز کر دیا جائے اور دینی اور مذہبی معاملات میں صرف نقل پر بنیاد رکھی جائے۔ ایک اور دوسرا انتہائی رویہ یہ ہوسکتا ہے کہ عقل پر ہی تمام دینی اور مذہبی معاملات کی اساس رکھی جائے اور نقل کو سرے سے نظر انداز کر دیا جائے۔ ظاہر ہے کہ یہ دونوں انتہائیں غیر حقیقی ہیں اور غیر متوازن نقطہ ہائے نظر کو جنم دیتی ہیں۔ ان دونوں انتہاؤں کے درمیان جو توازن اور اعتدال کا راستہ ہے وہی قابل قبول اور متفق علیہ راستہ ہے۔ جو حضرات عقلانیت میں بہت زیادہ نمایاں ہوئے وہ تھے جو بعد میں معتزلی کہلائے۔ جو حضرات بہت زیادہ نقلی معاملات کا التزام کرنے میں مشہور ہوئے وہ تھے جن کو ان کے مخالفین نے حشویہ کے نام سے یاد کیا ہے اور وہ اپنے آپ کو اہلِ ظاہر کے نام سے یاد کرتے تھے۔ یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ حشویہ یا معتزلہ کوئی بہت بڑا گروہ تھا۔ یہ ایک رائے تھی جو شروع میں ایک رجحان بنا۔ یہ رجحان آگے چل کر ایک مدرسہ فکر میں تبدیل ہوا۔

لیکن وقت کے ساتھ ساتھ ان تمام رجحانات اور مدارس فکر میں تبادلہ خیال بھی جاری رہا اور مسلمان ایک متفق علیہ نقطہ نظر کی طرف بڑھتے چلے گئے۔ وہ متفق علیہ نقطہ نظر جو بہت جلد سامنے آ گیا یہ تھا کہ خالص دینی معاملات، دینی احکام اور تعلیمات کے باب میں عقل اور نقل دونوں کا اپنا اپنا کردار ہے۔ عقل سے یہ معلوم ہوسکتا ہے کہ کیا چیز فی نفسہ اچھی ہے اور کیا چیز بُری ہے۔ یہ نقل سے بھی معلوم ہوسکتا ہے۔ معتزلہ، جن کو اسلام میں آپ خالص عقلیت کا نمائندہ قرار دے سکتے ہیں (اگرچہ آج کل کے عقلیت کے مفہوم کے اعتبار سے یہ بات درست نہ ہوگی، لیکن اس زمانے میں عقلیت کے مفہوم کے لحاظ سے ان کو عقلیت کا نمائندہ قرار دیا جاسکتا ہے)، اُن کا یہ کہنا تھا کہ عقل اور نقل دونوں بنیادوں پر کسی چیز کے اچھا اور برا ہونے کا فیصلہ کیا جاسکتا ہے۔ اگر عقل کسی چیز کو اچھا قرار دیتی ہے تو وہ اچھی ہے، اور اگر نقل اس کی تائید کرتی ہے تو اس سے مزید اس کا اچھا ہونا ثابت ہو جاتا ہے۔ اسی طرح سے اس کے برعکس اگر عقل کسی چیز کے برا ہونے کا فیصلہ کرے تو وہ چیز بُری ہے اور اگر نقل سے بھی اس کی تائید ہو جاتی ہے تو نورٌ علیٰ نور ہے۔

اسکے مقابلے میں ایک نقطۂ نظر وہ تھا جسکے ماننے والے اکثر اشاعرہ کہلانے والے لوگ تھے۔ شاعرہ کے خیال میں خالص عقل کی بنیاد پر مذہبی عقائد کا فیصلہ نہیں کیا جاسکتا اور مذہبی اور دینی اعتبار سے جو معاملات اچھے یا بُرے قرار دیے جائیں گے وہ صرف نقل کی بنیاد پر قرار دیے جائیں گے، عقل کو اس سے کوئی سروکار نہیں۔ بظاہر آج یہ بات ذرا کمزور یا ہلکی معلوم ہوتی ہے۔ لیکن جس زمانے میں یہ کہی گئی اس زمانے میں امت مسلمہ کے بڑے بڑے دماغوں نے نہ صرف

یہ بات کہی بلکہ انتہائی زور وشور سے اس کی تائید بھی کی۔ امام غزالیؒ اور امام رازیؒ جیسے اکابر اسی نقطۂ نظر کے حامل تھے۔

ان دونوں کے مقابلے میں ایک تیسرا نقطۂ نظر سامنے آیا جو شروع میں تو زیادہ مقبول نہیں تھا، لیکن بعد میں بتدریج مقبول ہوتا چلا گیا اور پہلے دونوں نقطۂ نظر کے ماننے والے بھی بالآخر اس سے کسی نہ کسی حد تک اتفاق کرنے پر مجبور ہو گئے، اور آج غالباً اُمت مسلمہ کی غالب ترین اکثریت اسی کو مانتی ہے۔ وہ نقطۂ نظر یہ ہے کہ عقل اور نقل دونوں کی بنیاد پر کسی چیز کی اچھائی یا برائی کا فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔ لیکن جہاں تک آخرت کے عتاب وعقاب اور اجر وثواب کا تعلق ہے اس کا فیصلہ صرف نقل کی بنیاد پر ہوگا۔ دنیاوی معاملات کا فیصلہ عقل اور نقل دونوں کی بنیاد پر کیا جا سکتا ہے۔ آج شریعت کی رہنمائی سے مستنیر عقلِ سلیم کسی چیز کو اچھا برا قرار دے سکتی ہے۔ یا ملکی قانون یا رواج کسی چیز کو غلط یا صحیح قرار دے سکتا ہے۔ لیکن آخرت میں سزا وجزا اس کی بنیاد پر نہیں ہوگی۔ آخرت میں عتاب اور ثواب اسی اچھائی یا برائی کی بنیاد پر ہوگا جسکو شریعت نے اچھائی یا برائی قرار دیا ہو۔ یہ بات بلاشبہ بڑی معقول اور معتدل ہے۔ اس وقت تھوڑے لوگ تھے جو اس سے اتفاق کرتے تھے۔ یہ نقطۂ نظر امام ابو منصور ماتریدیؒ کا تھا جن کے ماننے والے ماتریدی کہلاتے تھے۔ وقت کیساتھ ساتھ اشاعرہ اور ماتریدیہ دونوں اس سے اتفاق کرتے گئے۔ بالآخر یہ اشاعرہ اور ماتریدیہ کا متفقہ نقطۂ نظر بن گیا۔ متاخرینِ معتزلہ نے بھی اس سے اتفاق کیا۔ اشاعرہ اور ماتریدیہ کی فکر اتنی جامع تھی کہ معتزلہ کی فکر اس میں ضم ہوگئی اور معتزلہ کے جو خیالات مسلمانوں کے عام رجحان سے الگ تھے وہ وقت کیساتھ ساتھ ختم ہوتے چلے گئے

ان حالات میں جب پہلی مرتبہ ان مباحث کو مرتب کرنے کی ضرورت پیش آئی تو اس کو فقہ اکبر کے لفظ سے یاد کیا گیا۔ امام ابوحنیفہؒ سے علم کلام کی سب سے پہلی کتاب منسوب ہے جو ان کی اپنی براہ راست یا ان کے تلامذہ میں سے کسی کی لکھی ہوئی ہے وہ الفقہ الاکبر کے نام سے مشہور ہے۔ امام ابوحنیفہؒ نے فقہ کے دو حصے قرار دیے ہیں۔ ایک فقہ الاصول اور دوسرا فقہ الفروع۔ اسی طرح ایک فقہ القلوب ہے اور دوسری فقہ الاعمال۔ ایک وہ فقہ ہے جو شریعت کی اساسات اور عقائد کی فہم عمیق پر مبنی ہے، جس کا تعلق انسان کے قلبی اور عقلی معاملات سے ہے۔ دوسری فقہ وہ ہے جس کا تعلق انسان کے ظاہری معاملات سے ہے، وہ فقہ الاعمال یا فقہ ظاہر کہی جا سکتی ہے۔ امام ابوحنیفہؒ نے فقہ کی جو تعریف اپنے زمانے میں کی تھی وہ اسی جامعیت کو سامنے رکھ کر کی تھی۔ امام ابوحنیفہؒ کی تعریف تھی "معرفة النفس مالها وما عليها" یعنی انسان اس بات کی معرفت حاصل کرے کہ اس کی ذمہ داریاں کیا ہیں اور اس کے حقوق کیا ہیں؟ اس میں عقیدہ بھی شامل ہے، قلبی اعمال بھی شامل ہیں، تزکیہ واحسان بھی شامل ہے اور خالص ظاہری اور فقہی اعمال بھی شامل ہیں۔ یہ رجحان جو امام ابوحنیفہؒ کی اس تحریر اور تعریف سے شروع ہوا تھا، اور بعد میں خاصا دب گیا تھا، متاخرین میں دوبارہ اختیار کیا گیا اور متاخرین میں بہت سے حضرات نے فقہ اور کلام کی جامعیت کو ایک بار پھر اپنی توجہ کا مرکز بنایا۔ خاص طور پر علماء اصول اور متکلمین میں جو مشترک مسائل تھے اُن سے بھی فقہ الاکبر اور فقہ الاصغر کے اس توافق اور ہم

آہنگی کو بہت مہمیز ملی۔ اس اعتبار سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ علم کلام اور علم فقہ یہ دونوں ایک ہی علم یا ایک ہی فن کے دو پہلو تھے، ایک اصولِ دین کا علم تھا جس کا موضوع عقیدہ، توحید اور عقائد کے بارے میں نظر و استدلال تھا۔ دوسرا فن وہ تھا جو انسان کے روزمرہ معاملات سے بحث کرتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ فقہ اکبر کے ساتھ ساتھ دوسرے عنوانات جو اس فن کے لیے استعمال کیے گئے وہ اصول الدین، علم عقائد، علم توحید اور علم اسماء وصفات تھے۔

یہ سوال کہ علم کلام کو علم کلام کیوں کہا گیا؟ اکثر و بیشتر اُٹھایا جاتا رہا ہے۔ بہت سے حضرات نے اس سوال کا جواب دینے کی کوشش بھی کی اور اس علم کی وجہ تسمیہ پر روشنی ڈالی۔ عام طور پر جو وجہ بیان کی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ جب اوّل اوّل اس علم کو باقاعدہ فنی طور پر مرتب کیے جانے کی بات آئی تو اس وقت جو اہم ترین مسئلہ متکلمین کے حلقوں میں زیر بحث تھا وہ کلام الٰہی سے متعلق تھا۔ کلام الٰہی کی حقیقت کیا ہے؟ بلاشبہ قرآن پاک کلام الٰہی ہے اور یہ کلام اللہ تعالیٰ کی ایک اہم صفت کا مظہر ہے۔ اس لیے اس کی حقیقت اور نوعیت کیا ہے؟ اس سوال کا گہرا تعلق اس سوال سے تھا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کی حقیقت کیا ہے؟ ذات کا صفات سے تعلق کیا ہے؟ صفات کا ذات سے کیا تعلق ہے؟ کیا ان دونوں کا الگ الگ مستقل بالذات وجود ہے؟ یا دونوں کا الگ الگ مستقل بالذات وجود نہیں ہے؟ اگر مستقل بالذات وجود ہے تو کیا صفات بھی اسی طرح قدیم ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات قدیم ہے؟ ان سوالات کے سیاق وسباق میں کلام کی صفت کا سوال بھی پیدا ہوا۔ اگر صفات قدیم ہیں تو کلام بھی قدیم ہے۔ اگر کلام قدیم ہے تو کیا کتاب الٰہی اور قرآن کریم بھی قدیم ہے؟ جب یہ سوال پیدا ہوا تو اہلِ علم و دانش کے دو گروہوں نے دو مختلف نقطۂ نظر اختیار کیے۔ دونوں گروہوں نے اپنے نقطۂ نظر کو صحیح سمجھا اور اس پر سخت موقف اختیار کیا۔ ایک گروہ کو اتفاق سے حکومت کے وسائل بھی حاصل تھے۔ اس نے اپنے نقطۂ نظر کو ہی نہ صرف حتمی اور قطعی سمجھا بلکہ توحید حقیقی اور تنزیہ کامل کو یقینی بنانے کے لیے اس پر ایمان رکھنا بھی ضروری سمجھا۔ اس خیال کے پیشِ نظر اس گروہ نے دین اور اسلام کا تقاضا یہی سمجھا کہ اپنے نقطۂ نظر کو زبردستی لوگوں سے منوایا جائے۔ اس کا نتیجہ بعض انتہائی محترم اور قابل تکریم شخصیتوں پر سختی کی صورت میں نکلا جو اسلامی تاریخ میں کوئی خوش آئند بات نہیں تھی۔ دوسری طرف دوسرے گروہ نے اپنے نقطۂ نظر کی صحت پر نہ صرف اصرار کیا، بلکہ پہلے نقطۂ نظر کو کفر و انحراف اور فتنہ قرار دے کر اس کا مقابلہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس طرح اُمت میں دو گروہ ایک دوسرے کے مقابل آ گئے۔

کلام الٰہی کی حقیقت کے ساتھ ساتھ کچھ ایسے مسائل بھی زیر بحث آئے جن کو آپ قرآن پاک کے کلامی بیانات پر مبنی کہہ سکتے ہیں۔ قرآن پاک میں توحید کا تذکرہ بھی ہے اور نبوت کا بھی، آخرت کے دلائل اور شواہد بھی بیان کیے گئے ہیں اور ان عقائد پر کفار مکہ کی طرف سے اعتراضات بھی نقل کیے گئے ہیں۔ بہت سے مشرکینِ عرب حیات بعد الموت کے قائل نہیں تھے، اس لئے ان کی طرف سے آئے دن طرح طرح کے شبہات اُٹھائے جاتے تھے، ان کے

جوابات بھی قرآنِ پاک میں دیے گئے ہیں۔ دوسرے مذاہب کی تردیدیں بھی ہیں۔ بت پرستی، شرک، دہریت، یہودیت اور مسیحیت پر قرآن پاک میں تبصرے ہیں اور عقل وفکر کے ساتھ ساتھ ایمان لانے کی دعوت بھی ہے۔

ان سب چیزوں کا بیان قرآن پاک کی جن آیات میں ہوا ہے ان کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ اور یہ تقسیم خود قرآن پاک کی کی ہوئی ہے، کسی متکلم یا فقیہ کی کی ہوئی نہیں ہے۔ کچھ آیات تو وہ ہیں جنہیں قرآن پاک نے ام الکتاب اور محکمات کہا ہے۔ کتاب کی اصل یہی ہیں۔ These constitute the core of the Book۔ غالباً یہ مفہوم اس کا درست ہوگا۔ دوسری وہ آیات ہیں جو متشابہات کہلاتی ہیں، جن میں عالمِ آخرت، عالمِ ملکوت اور دوسرے حقائق غیبیہ کو کہیں تشبیہ، کہیں مجاز اور کہیں استعارہ کے انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ ان بیانات کے حقیقی مفہوم کے بارے میں ایک سے زائد تعبیرات کا امکان موجود ہے۔ جن کے دل میں کجی ہوتی ہے وہ متشابہات کے پیچھے لگ جاتے ہیں، ان کے بارے میں غیر ضروری سوالات اُٹھاتے ہیں۔ یوں قرآنِ پاک کے محکمات سے جن پر ایمان لانا اور جن پر عمل کرنا ہر انسان کی ذمہ داری ہے، ایسے لوگوں کی توجہ ہٹ جاتی ہے۔

جب ان آیات کی تفسیر کی بات آئی تو یہ بات بھی سامنے آئی کہ متشابہات کو سمجھنے کا اسلوب کیا ہونا چاہئے؟ اور متشابہات کی تعبیر وتشریح کے قواعد وضوابط کیا ہونے چاہئیں؟ یہ خالص کلامی بحث اور کلامی مسئلہ تھا۔ اس خالص کلامی مسئلے نے جہاں محدثین کی توجہ مبذول کرائی وہاں مفسرین کی توجہ بھی مبذول کروائی اور جو خالص متکلمین تھے، جو کہ اس وقت بہت کم تعداد میں تھے، انہوں نے بھی اس سوال سے اعتناء کیا۔ مثال کے طور پر قرآن مجید میں آیا ہے کہ "ید اللہ فوق ایدیھم" (اللہ تعالیٰ کا ہاتھ اُن کے ہاتھوں کے اوپر تھا)۔ یہاں اللہ کے ہاتھ سے کیا مراد ہے؟ کیا یہ جسمانی ہاتھ ہے جو ہر انسان کا ہوتا ہے؟ یا اس سے مراد دستِ قدرت ہے؟ یا اس کا مفہوم دستِ شفقت ہے؟ اس طرح مثلاً قرآن پاک میں ہے کہ "الرحمن علی العرش استوی" (اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہوا)۔ اب استواء کے ظاہری اور لغوی معنی تو یہ ہیں کہ کوئی شخص جسمانی وجود کے ساتھ کسی تخت پر سوار ہو جائے، جا گزیں ہو جائے۔ کیا اللہ تعالیٰ اس مفہوم میں تخت پر جا گزیں ہوا؟ کیا وہ جسمانی انداز میں تخت پر اس طرح متمکن ہے جس طرح دنیوی بادشاہ اپنے تخت پر بیٹھتے ہیں؟

اس طرح کی آیات اور بیانات کے بہت سے مطالب اور مفاہیم ہو سکتے ہیں جن میں سے ہر ایک کی گنجائش عربی زبان کے لحاظ سے موجود ہے۔ ان آیات کی تفسیر کے باب میں اہلِ علم میں تین چار مختلف قسم کے نقطۂ نظر پیدا ہوئے۔ لیکن مسلمانوں کی بڑی تعداد اور مسلمان علماء اور محدثین کی غالب ترین اکثریت نے اس طرح کے سوالات اُٹھانے کو غیر عملی اور بے نتیجہ سرگرمی قرار دیا۔ امام مالکؒ کا یہ جملہ مشہور ہے اور تقریباً تمام متکلمین نے کسی نہ کسی انداز میں اس کو نقل کیا ہے کہ "الاستواء معلوم" (استواء تو معلوم ہے) لغوی اعتبار سے "والکیف مجھول" (لیکن اس کی کیفیت ہمیں معلوم نہیں ہے)۔ اللہ تعالیٰ کے استواء کی کیفیت کیا ہے؟ اسے ہم نہیں جانتے۔ "والایمان بہ

واجب" (اور اس پر ایمان لانا واجب ہے)۔ اس لیے کہ قرآن پاک میں آیا ہے۔ "والسوال عنه بدعة" (اور اس کیفیت کے متعلق سوال کرنا بدعت ہے)۔ اس لیے کہ اس کیفیت کو انسان نہ سمجھ سکتا ہے اور نہ انسانوں کی زبان میں شاید اس کے لئے ایسے الفاظ موجود ہیں جو اس کیفیت کو بیان کر سکیں۔

ان خالص کلامی مسائل کے ساتھ ساتھ ایک اور ذیلی مسئلہ جس نے بعد میں چل کر کئی مدارسِ فکر کو جنم دیا، وہ امامت اور قیادت کا مسئلہ تھا۔ امامت کا مسئلہ یوں تو فقہ ظاہر اور فقہ علمی سے تعلق رکھتا ہے، اور جیسا کہ میں نے عرض کیا تھا کہ امامت کا قیام مقصود بالذات نہیں ہے بلکہ مقصود بالغیر ہے۔ اصل مقصود تو کچھ اور مقاصد کی تکمیل ہے جو اُمت کو انجام دینے ہیں۔ ان مقاصد کی تکمیل کے لئے وسیلے کے طور پر ریاست اور امامت کی ضرورت پڑتی ہے۔ اس لئے امامت کا وجوب وجوبِ وسائل کی نوعیت رکھتا ہے، وجوبِ مقاصد کی نوعیت نہیں رکھتا، اس سے تو کسی کو اختلاف نہیں تھا۔ لیکن یہ بات کہ فی نفسہ امامت کے وجوب کی بنیاد اور دلیل کیا ہے؟ یہ سوال بہت شروع ہی میں پیدا ہوا۔ جب یہ سوال پیدا ہوا کہ امامت کی ضرورت اُمت کو ہے کہ نہیں، تو اس بڑے سوال کے نتیجہ میں متعدد ذیلی سوالات بھی پیدا ہونا ناگزیر تھا۔ مثلاً امامت کی شرائط کیا ہوں گی؟ جو لوگ امامت کے منصب پر فائز ہوں گے ان کی صفات کیا ہوں گی؟ کیا ان کے لیے پوری اُمت میں سب سے افضل ہونا ضروری ہے؟ کیا امامت مفضول۔ یعنی ایسے شخص کی امامت جس سے افضل لوگ موجود ہوں۔ جائز ہے؟

جب یہ سوالات پیدا ہوئے تو مختلف حضرات نے ان کے بارے میں رائے قائم کی۔ کچھ حضرات نے دعویٰ کیا کہ رسول پاک ﷺ نے اپنے بعد اپنے جانشین کے بارے میں وصیت فرمادی تھی، وہ واجب التعمیل ہے۔ وہ وصیت سیدنا علیؓ ابن طالب کے لیے کی گئی تھی۔ لہٰذا ان کو منصوص طور پر رسول اللہ ﷺ کا جانشین ہونا چاہیے تھا اور جنہوں نے اس جانشینی کو قبول نہیں کیا انہوں نے حضور علیہ السلام کے واضح حکم کی نافرمانی کی۔ یہ ایک گروہ کی رائے تھی، یہ رائے ان الفاظ میں اور اس صراحت کے ساتھ اگرچہ فوری طور پر نہیں آئی بلکہ بہت بعد میں سامنے آئی۔ لیکن یہ ایک اہم مسئلہ کے طور پر پہلی صدی ہجری کے اواخر سے ہی کسی نہ کسی انداز میں زیر بحث رہی۔ واضح رہے کہ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے نامزدگی کی یہ بات نہ خود سیدنا علیؓ ابن ابی طالب نے ارشاد فرمائی، نہ ان کے صاحبزادوں سیدنا امام حسنؓ اور سیدنا امام حسینؓ نے کہی، اور نہ ہی ان دونوں کے صاحبزادوںؒ میں سے کسی نے کہی۔ یہ بہت بعد میں سامنے آئی۔

دوسری رائے یہ تھی کہ یہ اختیار امت مسلمہ کے اہل حل وعقد یا مسلمانوں کے معتمد علیہ حضرات یا پوری اُمت کا ہے۔ امت مسلمہ جس کا انتخاب کر لے وہ مسلمانوں کا امام ہو سکتا ہے۔ تیسرا نقطہ نظر ایک یہ بھی سامنے آیا کہ مسلمانوں کو کسی امام کی ضرورت نہیں۔ اگر اُمت مسلمہ قرآن پاک پر کاربند رہے اور شریعت کے احکام پر عمل کرتی رہے تو کسی امامت کی ضرورت نہیں۔ یہ ایک بہت تھوڑی تعداد کا نقطۂ نظر تھا۔ لیکن جس کا جو نقطۂ نظر تھا اس نے دلائل سے اس کو

بیان کیا اور دلائل سے اپنے نقطۂ نظر کو بیان کرنے کے ساتھ ساتھ دوسروں کے نقطۂ ہائے نظر پر تنقید بھی کی اور ان کے دلائل کی تغلیط بھی کی۔ اس طرح بہت جلد امامت کا مسئلہ ایک کلامی مسئلہ بن گیا۔ یوں ایک خالص انتظامی اور سیاسی مسئلہ نے کلامی مسئلے کی حیثیت اختیار کر لی۔ اسلئے کہ کچھ حضرات شدت کے ساتھ اپنی ہی رائے کو درست قرار دیتے تھے

ایسا بعد کی صدیوں میں بھی ہوتا رہا کہ بہت سے ایسے مسائل جن کا تعلق عقائد سے نہیں تھا، جن کا تعلق مذہب کی اساسات سے نہیں تھا، لیکن کسی وجہ سے، لوگوں کے شدت احساس کی وجہ سے یا لوگوں کی گہری وابستگی کی وجہ سے، کوئی ایک رائے بہت زیادہ متنازعہ اور معرکۃ الآراء بن گئی، اس پر بہت زیادہ بحث ومباحثہ اور قیل وقال ہوئی تو وہ رائے بھی علم کلام کا حصہ بن گئی۔ مثلاً فلاں بزرگ نے اسلام قبول کیا تھا یا نہیں کیا تھا؟ اب یہ ایک خالص تاریخی مسئلہ ہے۔ لیکن اگر اس پر مسلمانوں کے دو گروہوں میں بہت شدت پیدا ہو جائے اور دونوں طرف سے اپنے اپنے مؤقف کی تائید میں دلائل اور جوابی دلائل سامنے آنے لگیں تو یہ کلامی مسئلہ بن جائے گا۔ اس طرح علم کلام میں بہت سے نئے نئے مسائل شامل ہوتے گئے۔

ایک بڑا سوال یہ سامنے آیا کہ ایمان جس پر اسلام کا دارومدار ہے، اُمت مسلمہ کی وحدت جس کی بنیاد پر قائم ہے، اس کی حقیقت کیا ہے؟ کیا ایمان کے معنی صرف دل سے تصدیق کرنے کے ہیں؟ یا زبان سے اقرار کرنا بھی ایمان کے لئے ضروری ہے؟ اور کیا ان دونوں کے ساتھ ساتھ عمل بھی ایمان کی حقیقت اور تعریف میں شامل ہے کہ نہیں؟ کچھ حضرات کا شدت سے یہ خیال تھا کہ عمل بھی ایمان کا حصہ ہے اور جب تک مکمل عمل صالح نہ ہو اس وقت ایمان مکمل نہیں ہوسکتا۔ اس کے برعکس کچھ حضرات کا خیال تھا کہ اعمال ایمان کا حصہ نہیں ہیں اور عمل کے بغیر ایمان کی حقیقت وجود میں آسکتی ہے۔ اس بحث میں دونوں طرف سے بہت مفصل دلائل اور جوابی دلائل کتب حدیث وکلام میں موجود ہیں۔ جب یہ مسئلہ دلائل اور جوابی دلائل کا موضوع بنا تو پھر یہ سوال بھی پیدا ہوا کہ اگر کوئی شخص ایمان رکھتا ہے اور شریعت پر عمل نہیں کرتا، عمل صالح نہیں کرتا، بلکہ عمل غیر صالح کا ارتکاب کرتا ہے تو اس کی حیثیت کیا ہے؟ کیا وہ مسلمان کہلا سکتا ہے؟ یہ سوال اس لیے بھی اہمیت اختیار کر گیا کہ بعض احادیث میں بداعمالیوں پر شدید وعید آئی ہے اور بعض اعمال کے ارتکاب کو کفر سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اگر ایسا شخص بھی مسلمان ہے تو پھر ان احادیث کا مفہوم کیا ہے؟ مثلاً "**بین الایمان و الرجل ترک الصلوٰۃ**" (ایمان اور انسان کے درمیان جو حد فاصل ہے وہ نماز کا ترک کرنا ہے)۔ اس سے یہ پتہ چلا کہ اگر کوئی شخص تارک نماز ہو تو اس کو ایمان حاصل نہیں رہتا۔ تو کیا اس ارشاد نبوی کا وہی مفہوم ہے جو اس کے ظاہری الفاظ سے محسوس ہوتا ہے؟ یا اس ارشاد نبوی کا کوئی اور مفہوم ہے؟ یہ ایک خالص کلامی مسئلہ تھا۔ اس کے بارہ میں متعدد آراء سامنے آئیں۔ بحث ومباحثہ نے ایک نقطۂ نظر کو جنم دیا۔ وہ نقطۂ نظر بعد میں معتزلہ نے اختیار کیا۔ وہ یہ تھا کہ ایسا شخص نہ مسلمان رہتا ہے اور نہ کافر ہوتا ہے۔ کچھ حضرات مثلاً خوارج کا خیال تھا کہ گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرنے والا کافر

ہو جاتا ہے۔ مرتکب کبیرہ کافر ہے، یہ خوارج کا نقطہ نظر تھا۔ عام اہل سنت جو مسلمانوں کی غالب ترین اکثریت تھے، ان کا نقطہ نظر یہ تھا کہ مرتکب کبیرہ کافر نہیں ہوتا۔ معتزلہ کا نقطۂ نظر تھا کہ 'منزلہ بین المنزلتین' یعنی دونوں درجوں کے درمیان ایک تیسرا درجہ اس کو حاصل ہو جاتا ہے کہ وہ نہ مومن ہے نہ کافر، ان دونوں کے مابین ہے۔

ان تینوں کے دلائل اور جوابی دلائل، اعتراضات اور جوابی اعتراضات، یہ سارے معاملات پہلی صدی کے اواخر سے لے کر دوسری صدی کے آخر تک زیر بحث رہے۔ پھر جیسے جیسے اسلامی معاشرہ پھیلتا گیا اور اسلامی ریاست کی حدود پھیلتی گئیں، دوسری اقوام سے مسلمانوں کا میل جول اور احتکاک بڑھتا گیا، ویسے ویسے ان مباحث میں بھی تنوع پیدا ہوتا رہا۔ مزدکیوں سے خیر وشر کے مباحث پر گفتگوئیں ہوئیں۔ شام کے عیسائیوں کے ساتھ مباحثے ہوئے۔ پھر آگے چل کر یونانی افکار کے ترجمے ہوئے۔ یونانی علوم کے ماہرین سے فلسفیانہ اُمور پر تبادلۂ خیال ہوا۔ ان میں سے جس جس نے اسلام پر جو اعتراض کیا اس کا جواب اسی کے اصول مسلمہ اور اصول موضوعہ کی بنیاد پر متکلمین اسلام نے دینے کی کوشش کی۔ اس طرح سے علم کلام کے دائرے میں وسعت پیدا ہوتی گئی۔ لیکن اس سب کے باوجود یہ بات ہمیشہ متفق علیہ رہی کہ علم کلام کی اساس قرآن مجید ہے۔ جن حضرات نے اس کا انکار کیا یا اس میں شبہ کا اظہار کیا ان پر تعجب کا اظہار کرتے ہوئے امام قشیریؒ نے ایک جگہ لکھا ہے کہ "العجب ممن یقول لیس فی القرآن علم الکلام" (یہ بات بڑی تعجب خیز ہے کہ لوگ یہ کہیں کہ قرآن مجید میں علم کلام نہیں ہے)۔

یہ تھا پس منظر ان معاملات کا جن کی روشنی میں علم کلام کو مرتب کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ اس مرحلہ پر کچھ ظاہر بین حضرات نے یہ مؤقف اختیار کیا کہ علم کلام کو باقاعدہ مدون کرنے کی ضرورت اس لیے نہیں ہے کہ صحابہ اور تابعین نے اس کو اس انداز سے مرتب نہیں کیا تھا۔ یہ بات آج بھی بہت سے حضرات کہتے ہیں۔ لیکن اگر دیگر علوم و فنون کی تدوین کی روشنی میں دیکھا جائے تو یہ مؤقف بڑا کمزور محسوس ہوتا ہے۔ اگر صحابہ کرامؓ نے تفسیر کی کتابیں اور علوم القرآن کے دفتر مرتب نہیں کیے تھے تو تفسیر کے سارے ذخائر مرتب کرنا بھی درست نہیں ہونا چاہیے۔ اگر صحابہ کرامؓ نے فقہی کتابیں مرتب نہیں کیں، اصول فقہ مرتب نہیں کیا تو یہ سارے علوم وفنون بھی بعد میں مرتب ہوئے۔ اس لیے صرف علم کلام کے بارے میں یہ کہنا کہ چونکہ صحابہ کرامؓ نے اس کی تدوین نہیں کی تھی، اس لیے اس کی تدوین مناسب نہیں، یہ بات بہت کمزور، ہلکی اور ناقابل قبول ہے۔

دوسری اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ کو علم کلام کو عقلی انداز میں مرتب کرنے کی اس لیے ضرورت نہیں تھی کہ اُن کے دل ودماغ میں وہ اعتراضات ہی پیدا نہیں ہوئے جو بعد والوں کے دل میں پیدا ہوئے۔ صحابہ کرامؓ کے ایمان کی پختگی اس بات کو یقینی بناتی تھی کہ ان کو کسی خارجی عقلی استدلال کی ضرورت نہیں۔ وہ عقلی استدلال کی کمزور بیساکھیوں کے بجائے قلب وشعور اور احساس حضوری کی دولت سے مالا مال تھے۔ ان کو ان بیرونی سہاروں کی حاجت

نہ تھی۔ یہی کیفیت تابعین کے زمانے میں بیشتر حضرات کی تھی۔

بعد کے زمانوں میں البتہ اس بات کی ضرورت محسوس ہوئی کہ باہر سے آنے والے اعتراضات اور اندر سے اُٹھنے والے شبہات کا جواب دینے کے لیے رائج الوقت اسلوبِ استدلال کے مطابق اسلامی عقائد کا دفاع کیا جائے اور ان کو بیان کیا جائے۔ چونکہ اس علم کا تعلق اسلامی عقائد کے دفاع اور تشریح و توضیح سے تھا اس لیے متکلمین اسلام نے اس کو اسلامی علوم میں سب سے برتر اور سب سے اشرف قرار دیا۔ اُن کا کہنا یہ تھا کہ سارے احکام شرعیہ کی اساس اسی پر ہے۔ احکام شرعیہ پر عمل تب ہی ہوسکتا ہے جب عقائد پختہ ہوں۔ عقائد پختہ تب ہی ہوسکتے ہیں کہ جب عقائد کی تائید میں کیا جانے والا استدلال پختہ ہو۔ اسی استدلال کے پیش نظر اُن کے خیال میں علمِ کلام تمام دینی علوم کا گلِ سرسبد تھا۔ اس لیے کہ عقائد کی حیثیت اس بنیاد کی ہے جس پر عمارت استوار ہوتی ہے۔ اور جب عمارت استوار ہوگی تو وہ سعادت دارین کو یقینی بنائے گی اور بالآخر سعادت دارین کا دارومدار عقائد پر ہے۔ ایک بڑے مشہور متکلم علامہ سعد الدین تفتازانی نے، جن کی کتابیں علم کلام کے انتہائی پختگی کے دور کی نمائندہ ہیں، لکھا ہے کہ علم شریعت واحکام کی ساری بنیاد اور اسلام کی تمام تعلیمات کی اساس اور قواعد وہ علم توحید وصفات ہے جس کو علمِ کلام کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ جس سے شک وشبہ کے اندھیرے دُور ہوتے ہیں اور تاریکیوں کو روشنی میں تبدیل کیا جاتا ہے۔ اس سے یہ انداز ہوتا ہے کہ متکلمین کی نظر میں علم کلام کی کیا اہمیت تھی۔

متکلمین کی ان ساری کاوشوں کے ساتھ ساتھ ہر دور میں مخلص اہلِ علم کا ایک محدود طبقہ ایسا بھی رہا جس نے علم کلام کی ان کوششوں کو پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھا۔ اس طبقے کا خیال تھا کہ اعتراض کرنے والوں کو ان کے حال پر چھوڑ دینا چاہیے اور اہل علم کو صرف قرآن مجید، سنت اور سیرت سے دلچسپی رکھنی چاہیے۔ جتنا قرآن پاک کا علم عام ہوتا جائے گا، جتنا سنت کا علم پھیلتا جائے گا اور جتنی سیرت سے واقفیت بڑھتی جائے گی، اتنا ہی لوگوں کے عقائد پختہ ہوتے جائیں گے اور شبہات کمزور پڑتے جائیں گے۔ چنانچہ بہت سے اکابر ائمہ محدثین امام مالکؒ، امام احمدؒ، امام بخاریؒ اور کئی دوسرے حضرات سے ایسے اقوال منقول ہیں جن سے علم کلام کا غیر اہم ہونا ثابت ہوتا ہے۔ بعد کے ادوار میں بھی علامہ ابن عبدالبر، جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اپنے زمانے میں "اعلم اهل المغرب" تھے، مغرب یعنی اسپین اور مراکش کے علماء میں سب سے زیادہ علم رکھنے والے اور علم حدیث کے اپنے زمانے کی مغربی دنیائے اسلام میں سب سے بڑے ماہر تھے، ان سے بھی بعض ایسے بیانات منسوب ہیں جو علم کلام کی اہمیت کو کم کرتے ہیں۔ بعض حضرات نے اس پر کتابیں بھی لکھی ہیں۔ علامہ جلال الدین سیوطیؒ کا بھی ایک رسالہ ہے جو علم کلام کی تردید میں ہے۔ اور بھی ایک دو چھوٹے چھوٹے رسالے علم کلام کی تردید اور اس کی مذمت میں لکھے گئے ہیں۔

لیکن علامہ سعد الدین تفتازانی، جنکا میں نے ابھی حوالہ دیا ان تمام اعتراضات کا جواب یہ دیتے ہیں کہ جن

حضرات نے علم کلام سے دلچسپی پر اعتراض کیا، یہ وہ علم کلام تھا جسکی بنیاد خالص یونانی علوم وفنون اور یونانی اسلوب استدال پر تھی جبکہ اصل علمِ کلام یہ نہیں تھا۔ اصل علم کلام سے مراد ایسا مکالمہ ہے جو دلائل کی بنیاد پر ہو (جسے آجکل ڈائیلاگ یا مکالمہ کہا جاتا ہے)۔ یہ وہی چیز ہے جسے قرآن پاک کی اصطلاح میں مخاصمہ یا مجادلہ سے تعبیر کیا گیا ہے شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے خیال میں قرآن مجید کے پانچ بنیادی مضامین میں سے ایک مضمون مخاصمہ اور مجادلہ بھی ہے۔ مجادلہ کے لیے قرآنِ پاک میں کئی جگہ ہدایات دی گئی ہیں۔ ''وجادلو ابالتی ھی احسن'' (اور بہترین طریقے سے مجادلہ کیا جائے)۔ دلائل کے ساتھ مکالمہ کیا جائے اور دوسرے کے عقیدے کی تردید کرتے ہوئے اس کی دل آزاری نہ کی جائے۔ کسی کے دیوتاؤں کو بُرا نہ کہا جائے اور اپنی بات کی تائید کرتے ہوئے جو فریقین کے متفق علیہ مسلمات ہیں ان کو بنیاد بنا کر ان سے آغاز کیا جائے۔

یہ قرآن پاک کی بنیادی تعلیم تھی جو مذہبی مجادلہ، مکالمہ یا مخاصمہ کے بارے میں تھی۔ چونکہ اس میں فریقین کے متفق علیہ مسلمات کو قبول کر کے اس کی بنیاد پر بات کرنے کی دعوت دی گئی تھی اس لیے ان مسلمات کی تلاش میں بعض متکلمین نے بہت زیادہ کاوش کی اور بعض ایسی چیزیں بھی قبول کرلیں جو شاید مسلمات کی حیثیت نہیں رکھتی تھیں۔ جیسے جیسے یونانی کتابوں کا ترجمہ ہوتا گیا اور یونانی منطق اور فلسفیانہ علوم مسلمانوں میں رائج ہوتے گئے تو یونانی فلسفے اور عقلیات کے مسلمات بھی (جن کو آپ کو 'مسلمات'' کہہ سکتے ہیں) مسلمانوں میں عام ہوتے گئے۔

یہ 'مسلمات' وقت کے ساتھ ساتھ بہت سے مسلمانوں میں بھی مسلمات کی حیثیت اختیار کرتے چلے گئے اور ان کی بنیاد پر مسلمانوں نے بعض ایسے مباحث بھی علم کلام میں شامل کر لیے جو دراصل علم کلام کے مباحث نہیں تھے۔ چنانچہ جب یونانی اسلوب میں علم کلام کی تدوین کا کام شروع ہوا، جس کا آغاز ہم چوتھی یا پانچویں صدی ہجری کے لگ بھگ قرار دے سکتے ہیں، تو یونانیوں کے مسلمات کو تھوک کے حساب سے علم کلام میں زیر بحث لایا جانے لگا۔ شروع شروع میں محتاط متکلمین اسلام تو ان یونانی خیالات کی تردید بھی کیا کرتے تھے یا ان کا تنقیدی جائزہ بھی لیا کرتے تھے، لیکن وقت کے ساتھ ساتھ بہت سی چیزیں بغیر کسی تنقید کے علم کلام میں شامل ہوتی گئیں اور بعض ایسے مباحث بھی علم کلام میں آ گئے جو دراصل متکلمانہ اور علم کلام کے مسائل نہیں تھے۔

اس کی نوعیت یہ ہوئی کہ جب یونانی اسلوب کو سامنے رکھ کر متکلمین نے عقائد اسلام کو بیان کرنا چاہا تو ان کو لامحالہ یونانی طرزِ استدلال سے کام لینا پڑا۔ اس طرزِ استدلال سے کام لینے کی خاطر ان کو یونانی اصطلاحات اور مقولات (categories) بھی اختیار کرنا پڑیں۔ انہوں نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کے وجود کو ثابت کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ خود وجود پر بات کی جائے۔ وجود پر جو مباحث یونانیوں کے ہاں ارسطو یا دوسرے لوگوں کے ہاں موجود تھے، ان سے متکلمین اسلام نے بھی کام لیا۔ پھر وجود کی انہوں نے دو قسمیں قرار دیں۔ ایک واجب الوجود اور ایک ممکن الوجود۔ پھر

ممکن کی انہوں نے وضاحت کی کہ ممکن کیا ہے۔ اس سے انہوں نے دیکھا کہ کائنات میں جو جو چیزیں ممکن ہیں اس کے لیے انہوں نے جوہر اور عرض کی اصطلاحات استعمال کیں۔ جوہر کے ساتھ ایک عرض بھی ہوتا ہے۔ جوہر وہ ہے جو مستقل قائم بالذات ہو۔ عرض وہ ہے جو قائم بالغیر ہو۔

یہ وہ مباحث ہیں جن کا تعلق نہ عقیدۂ اسلامیہ سے ہے نہ توحید سے ہے۔ نہ قرآن پاک میں یہ مسائل آئے ہیں ،نہ احادیث میں آئے ہیں اور نہ ہی اسلامی عقائد کا ان پر دارومدار ہے۔ لیکن وقت کے ساتھ ساتھ یہ مسائل اس قدر گہرائی اور مضبوطی سے علم کلام میں شامل ہو گئے کہ ایک مرحلہ ایسا بھی آیا کہ یہی مسائل علم کلام کا اصل حصہ بن گئے۔ پھر اس بات کی بھی ضرورت محسوس ہوئی کہ جب اسلامی عقائد کو بیان کرتے ہوئے علم کلام کے مباحث کو بیان کیا جائے تو پہلے ان بنیادی امور سے بحث کی جائے۔ یہ بنیادی امور اُمور عامہ کہلائے جانے لگے۔ وہ عمومیات جن کی بنیاد پر آگے چل کر عقائد کو بیان کیا جانے لگا اُمورِ عامہ کہلائے، جو اکثر و بیشتر یونانیوں سے ماخوذ تھے۔ یہ کام سب سے زیادہ امام رازیؒ نے کیا۔ امام رازیؒ عقلیات کے بہت بڑے امام تھے اور انہیں اپنے زمانے کی عقلیات میں امامت کا وہ درجہ حاصل تھا کہ دنیائے اسلام اُن کی امامت کو تسلیم کرتی تھی۔ آج تک وہ عقلیات میں ضرب المثل ہیں۔ انہوں نے ایک کتاب ''المحصل فی افکار المتقدمین والمتاخرین'' کے نام سے مرتب کی جس کے بارے میں ان کا خیال تھا کہ متکلمین قدیم وجدید نے جو کچھ لکھا ہے ان سب کا خلاصہ انہوں نے اس کتاب میں لکھ دیا ہے۔ بلاشبہ یہ کتاب بہت عالمانہ اور اپنے زمانے کی بہترین کتابوں میں سے ایک ہے۔ لیکن اس پوری کتاب میں اوّل سے آخر تک یونانی خیالات و مباحث کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔ ان کو اسلامی عقائد بیان کرنے کا ابھی موقع ہی نہیں آیا کہ پوری کتاب ختم ہو گئی اور انہوں نے وہ مسلّمات جو یونانی افکار سے ماخوذ تھے، جن سے کام لے کر آگے چل کر استدلال وضع کرنا تھا اور اس استدلال کے وضع کیے جانے کے بعد اس سے اسلامی عقائد کی تائید ہونی تھی، ان مسلّمات ہی کو بیان کرنے پر اکتفاء کیا۔ یوں ان اُمور عامہ کی، جو دراصل اُمورِ تمہیدیہ تھے، اتنی اہمیت ہو گئی کہ وہ مسلّمات ہی علم عقائد قرار پا گئے۔ اسے متاخرین کے علم کلام کی ایک ایسی کمزوری کہنا چاہیے یا ایک ایسا وصف کہنا چاہیے جس نے علم کلام کے اصل حقائق و مقاصد سے لوگوں کی توجہ ہٹا دی اور یونانی منطق، یونانی فلسفہ اور یونانی طبیعیات اور ریاضیات کے مسائل علم کلام کا حصہ بن گئے۔ منطق اور فلسفہ تو خیر کسی حد تک ایسی چیزیں تھیں کہ ایک حد تک ان سے کام لیا جا سکتا تھا اور آج بھی شاید لیا جا سکتا ہو۔ لیکن جس چیز کو یونانی طبیعیات کہتے تھے آج اسے طبیعیات کہنا شاید طبیعیات کے ساتھ مذاق ہو۔ آج کی طبیعیات اس سے بہت آگے چلی گئی ہے اور اس سے بہت مختلف ہو گئی ہے۔

اس زمانے کے بہت ہی ابتدائی قسم کے تصورات یا مبہم خیالات جن کو یونانی طبیعات کے نام سے یاد کرتے تھے اور ان کو یونانی علوم کے ''مسلّمات'' سمجھا کرتے تھے ان میں سے آج کی طبیعیات میں شاید ایک چیز بھی ایسی نہیں ہے

جو مسلمہ حقائق کی حیثیت رکھتی ہو یا علمی معاملات میں زیر بحث آتی ہو۔ جسم کیا ہے؟ پھر جسم کی تعریف؟ جسم کو اگر فلسفہ کا مسئلہ قرار دیا جائے تو اس سے اور قباحتیں پیدا ہوں گی۔ جسم کو علم تجربی کا مسئلہ قرار دیا جائے تو اس سے یونانی مانوس نہیں تھے۔ ان کے ہاں طبعیات فلسفہ کا ایک حصہ تھی اور فلسفے کے کلیات اور عقائد کیساتھ ساتھ طبعیات یعنی فزکس کے مسائل پر بھی منطق استخراجی کی روشنی میں ہی بحث ہوتی تھی۔ منطق استخراجی اور طبعیات میں زمین و آسمان کا بعد ہے۔ یہ قباحتیں جو یونانیوں کے نظام میں موجود تھیں۔ یہ ساری قباحتیں علم کلام میں بھی آ گئیں۔ تاہم اس پورے تجربہ سے ایک اہم بات ضرور پتا چلی اور وہ یہ کہ متکلمین اسلام کا یہ رجحان رہا ہے کہ اسلامی نقطۂ نظر کی تشریح و تفسیر میں انہوں نے اپنے زمانے کے علمی، فکری اور الٰہیاتی رجحانات کو پیش نظر رکھا اور اپنے نقطۂ نظر کی ترتیب اور formulation میں یہ کوشش کی کہ ان کے دور کے جو منحرفین ہیں ان کے خیالات کی تردید ساتھ ساتھ ہوتی رہے۔ اس کام کے لیے جب فزکس یا طبعیات کی بات آئی تو پھر ایسے بہت سارے مسائل بھی زیر بحث آئے جو براہ راست عقائد کا حصہ نہیں تھے۔ مثلاً زمان و مکان کی بحث پیدا ہوئی۔ جسم کی بحث سے حرکت کی بحث پیدا ہوئی۔ حرکت کی بحث سے زمان و مکان کی بحث پیدا ہوئی۔ اب اللہ تعالیٰ جو زماں و مکان کا خالق ہے، اس کی ذات کا ادراک زمان و مکان کی قیود میں رہ کر کیسے ہوسکتا ہے؟ وہ خالق کون و مکاں خود زمان و مکان سے مقید یا محدود کیسے ہوسکتا ہے؟ وہ تو زمان و مکان پر مسیطر، مقتدر اور ان سے ماوراء ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کو زمان و مکان کی حدود کے اندر محدود کر کے سمجھنے کی کوشش کی جائے گی تو ذات الٰہی کا ادراک نہیں ہو سکے گا۔

یہ مسائل تھے جن کا متکلمین اسلام شکار ہوئے۔ ان کا بیشتر حصہ خاص طور پر مقدمات کا بڑا حصہ خالص فلسفیانہ مباحث پر مشتمل ہے۔ ان میں سے بہت سے مباحث آج از کار رفتہ اور متروک ہو چکے ہیں۔ کچھ ایسے ہیں جو اَب بھی جزوی افادیت رکھتے ہیں، اور کچھ معاملات ایسے بھی ہیں جو اَب بھی اہم اور ضروری ہیں۔ متاخرین کی کتابیں سب سے پہلے امور عامہ سے بحث کرتی ہیں۔ امور عامہ سے مراد ہیں قواعد منہجیہ، مباحث منطقیہ، امور مابعد الطبیعیہ اور طبعیات کے وہ معاملات جو یونانیوں سے مسلمانوں میں آئے، اور یونانیوں ہی سے لے کر متاخرین متکلمین اسلام نے ان کو علم کلام کے سیاق و سباق میں استعمال کیا۔ یہ اسلوب امام رازیؒ نے بہت زور و شور سے اپنایا اور علم کلام اور فلسفۂ یونانی کی حدود گویا ختم ہی کر دیں۔ امام رازیؒ کے بعد کے قریب قریب تمام متکلمین کو یہ اسلوب اس قدر بھایا کہ سب نے اس کی پیروی شروع کر دی۔ اس اسلوب کی مقبولیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ علامہ عضد الدین ایجی کی آدھی سے زیادہ کتاب ان امور عامہ ہی پر مشتمل ہے۔

اس صورت حال کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ یہ تمہیدی مباحث، جو دراصل الزامی جواب کے لئے اختیار کئے گئے تھے، اصل کلامی مسائل بن گئے اور انہی کو پڑھنا پڑھانا اہل علم کے ایک بڑے طبقہ کا اوڑھنا بچھونا بن گیا۔ اس اہتمام کی وجہ

سے بعض ایسے خیالات بھی مسلمانوں میں حقائق کا درجہ اختیار کر گئے جو تجربے نے بعد میں غلط ثابت کیے، جن میں سے ایک کی مثال میں نے دی تھی کہ زمین کے سکون اور آسمان کی حرکت کو انہوں نے بطور ایک مسلمہ کے تسلیم کر لیا۔ اسی طرح فلک الافلاک کا تصور یا نو آسمانوں کا نظام، یہ سب کچھ یونانیوں کے ہاں سے یا کہیں اور سے آیا تھا، لیکن اس کو مسلمانوں میں سے بہت سے لوگوں نے قبول کر لیا۔ ایک کتاب میں فلک الافلاک کی تعریف لکھی ہے کہ ''فلک نہم کہ آں اسمان ہمہ آسمانہا است۔ یعنی بالائے ہمہ افلاک و بر ہمہ محیط است وبلسان شرع آں را عرش نامند'' یہ بالکل فضول اور مضحکہ خیز بات ہے۔ نہ عرش کو فلک الافلاک کہتے ہیں نہ آسمان نہم کہتے ہیں۔ پتہ نہیں یہ بات کس نے، کب، کہاں سے اور کس سے سیکھی اور زبردستی کھینچ تان کے اس کو عرشِ الٰہی سے منسوب کر دیا۔

یہ مثالیں میں اسلئے دینا چاہتا ہوں کہ متکلمین کی کاوشوں کا آغاز جس زور وشور سے ہوا تھا اور جن نیک مقاصد کی خاطر ہوا تھا وہ یونانیوں کے ہتھے چڑھنے کے بعد یونانیوں سے زائد از ضرورت مرعوبیت کی وجہ سے راہ راست سے خاصی ہٹ گئیں، اور ایک دور کے بعد ان سے وہ نتائج اور ثمرات حاصل نہیں کیے جا سکے جو ثمرات حاصل کیے جانے چاہئیں تھے۔ لیکن اس کے یہ معنی ہرگز نہیں ہیں کہ ماضی میں علم کلام کی ضرورت نہیں تھی، یا آج کسی علمِ کلام کی ضرورت نہیں ہے۔ علم کلام کی ضرورت ہر دور میں رہی ہے اور ہر دور میں رہے گی۔ انسانوں کا ایک خاصہ یا کمزوری اور مجبوری یہ بھی ہے کہ بہت سے انسان سکہ رائج الوقت سے بہت جلد متاثر ہو جاتے ہیں۔ جس زمانے میں یونانی علوم کا چلن تھا اور یونان کا حوالہ عقلیات اور علمیات کے ابواب میں آخری حوالہ سمجھا جاتا تھا یا ایک حلقہ میں سمجھا جانے لگا تھا، اس دور میں بہت سے اہلِ علم یونانی علوم واصطلاحات سے متاثر ہونے میں حدود سے نکل گئے۔ انہوں نے یونانیوں کی بہت سی ایسی خرافات بھی مان لیں جن کا سرے سے کوئی تعلق قرآن پاک یا سنت کو سمجھنے سے نہیں تھا بلکہ ان فضولیات کے بغیر بھی قرآن وسنت کو بہت بہتر طور پر سمجھا اور سمجھایا جا سکتا تھا۔ اس سے پہلے جب مسلمان دینی اور دنیاوی دونوں اعتبار سے زیادہ اچھے مسلمان تھے تو ان کا علمِ کلام اور ان کی تشریح عقائد یونانی آلائشوں سے پاک تھی۔ لیکن جب ''امورِ عامہ'' کے نام سے یہ خرافات اور فضول مباحث مسلمانوں میں آئے اور جاگزیں ہوئے تو اسوقت نہ مسلمان دینی اعتبار سے معیاری مسلمان رہے تھے اور نہ ہی دنیاوی اعتبار سے۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ان مباحث کی عملی افادیت کیا تھی۔ پھر ایک زمانہ وہ آیا کہ دنیا مغربی سائنس سے مرعوب ہوئی اور ہر چیز کو سائنس کے حوالے سے سمجھا جانے لگا۔ انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے شروع میں اسلامی عقائد کی تعبیر وتفسیر کے نام سے ایسی کاوشیں سامنے آئیں جنہوں نے مغرب پرستی میں متاخر متکلمین کی یونان پرستی کو بھی مات دیدی۔ سائنس کی مشہور چیزیں اور علمی مسلمات تو بڑی بات ہے، جو جو چیزیں مغرب کے حوالے سے رائج ہوتی گئیں، ان کو بھی بطور مسلمات کے تسلیم کر کے اسلامی عقائد کی تعبیریں ان کی روشنی میں کی جانے لگیں۔ جتنی مضحکہ خیز آج اُمورِ عامہ کی یہ مثالیں معلوم ہوتی ہیں اس

سے کم مضحکہ خیز وہ ''مسلمات'' نہیں ہیں جن کو حقائق جان کر انیسویں صدی کے اواخر یا بیسویں صدی کے اوائل میں بہت سے مسلم مفکرین نے عقائدِ اسلامی کی وضاحت کی۔ تاہم اس سے یہ اندازہ ضرور ہوتا ہے کہ دور جدید میں ایک نئے علمِ کلام کی ضرورت کا احساس پیدا ہو چلا ہے۔ علمِ کلامِ نو جس میں یونانیوں کی غیر ضروری عقلیات، از کار رفتہ دلائل اور غیر علمی خرافات سے جان چھڑا کر رائج الوقت اسلوبِ استدلال اور رائج الوقت علمیات کے اصولِ مسلمہ کے مطابق احکام قرآن کی وضاحت اس طرح کی جائے کہ اس میں نئے استدلال یا نئے اسلوب سے کام لیا گیا ہو۔ یہ بات ہمارے لیے بڑی خوش آئند ہے کہ اس ضرورت کا احساس سب سے پہلے برصغیر میں ہوا۔ اس باب میں سرسید امیر علی، سرسید احمد خان، مولانا شبلی نعمانی، علامہ سید سلیمان ندوی، علامہ اقبال، مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی برصغیر کے اہم نام ہیں۔ برصغیر سے باہر مفتی محمد عبدہ وغیرہ، یہ چند نمایاں نام ہیں جنہوں نے سب سے پہلے اس ضرورت کا احساس کیا۔

جب علمِ کلام کے تدوینِ نو کی ضرورت محسوس ہوئی تو اس وقت دو تین رجحانات ہمارے ہاں سامنے آئے۔ ایک رجحان تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ معذرت خواہانہ رجحان تھا، جس کے نمائندہ وہ حضرات تھے جو مغرب کے ہر حوالے کو قطعیت اور استناد کے اعتبار سے انتہائی اونچے معیار پر سمجھتے تھے۔ جو بات کسی انگریز نے انگریزی میں اور فرانسیسی نے فرانسیسی میں لکھ دی وہ ان حضرات کے نزدیک حق کا آخری معیار بن گئی اور اس کو قطعیت حاصل ہو گئی۔ لہٰذا قرآن وسنت کی ہر تعلیم کو کھینچ تان کر ہر قسم کی رکیک تاویل سے اس کے مطابق ثابت کر دیا جائے۔ یہ رجحان ظاہر ہے مسلمانوں میں چلنے والا نہیں تھا۔ سرسید احمد خان نے اسی رجحان کی ترجمانی کی اور بہت سے مذہبی معاملات میں انہوں نے یہ رجحان اپنایا۔ وہ سائنس کے حملے سے خائف تھے۔ انہوں نے اس خطرہ کا اظہار بھی کیا کہ سائنس کا حملہ جس طرح عیسائیت کو لے ڈوبا ہے، اسلام کو بھی لے ڈوبے گا۔ اس لیے اسلام کی ایک ایسی تعبیر کی جائے کہ جو اس کو سائنس کے حملے سے محفوظ رکھ سکے۔ یہ بات انہوں نے اپنی تحریروں میں بھی لکھی ہے اور ان کے سب سے مستند سوانح نگار مولانا الطاف حسین حالی نے بھی لکھی ہے۔ سرسید خود اپنے کو معتزلہ کا پیرو سمجھتے تھے اور عقلی بنیاد پر نئے علم کلام کی تدوین کرنا چاہتے تھے۔ لیکن نئے علم کلام کی تدوین کے لیے انہوں نے اس دور کے مغربی علوم اور مغربی سائنس کی روشنی میں خالص عقلی تعبیرات کو اپنانے کا فیصلہ کیا۔ اس عقلی تعبیر کا پہلا تقاضا تو انہوں نے یہ سمجھا کہ معجزات کی تاویل کی جائے۔ چنانچہ انہوں نے کہا کہ معراج ایک خواب تھی۔ شقِ صدر بھی خواب تھا۔ شیطان سے مراد نفس امارہ ہے۔ قرآن پاک میں جن غیبیات کا ذکر ہے وہ محض مجاز ہیں، وغیرہ وغیرہ۔ یہ راستہ بڑا خطرناک راستہ ہے۔ اگر قرآن کے بیانات کو ایک مرتبہ مجاز اور استعارے کے پردے میں سمجھنے کا راستہ کھول دیا جائے تو شریعت، عقائد، مکارم اخلاق سب ختم ہو جاتے ہیں۔ ہر چیز کی تعبیر مجاز میں کی جا سکتی ہے۔ جس طرح آج دنیائے مسیحیت انجیلوں کی تفسیر استعارہ اور مجاز کے انداز میں کر کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور دیگر انبیاء کرام کی تعلیمات سے آزاد ہو چکی ہے، یہ راستہ مسلمانوں کے لیے بھی کھولا جا سکتا ہے۔ لیکن اس انداز میں

سرسید تنہا نہیں تھے۔ اس کی مثال یا جھلک کسی حد تک مفتی عبدہ اور رشید رضا کے ہاں بھی ملتی ہے۔

دوسرا رجحان قدیم علم کلام کو نئے رنگ میں پیش کرنے کا رجحان تھا۔ یہ بھی برصغیر ہی میں سامنے آیا۔ چنانچہ مولانا شبلی نعمانی اور ان کے شاگرد رشید علامہ سید سلیمان ندوی اس کے بڑے نمائندہ ہیں، ان حضرات نے قدیم تصورات اور مسائل کو نئے انداز اور اسلوب سے پیش کرنا چاہا۔ برصغیر سے باہر شیخ حسین الجسر اور کئی دوسرے حضرات ہیں جن کی تحریروں میں یہ انداز ملتا ہے۔

ایک نیا اسلوب بھی بیسویں صدی کے اوائل سے سامنے آنا شروع ہوا جس کے نمائندے اکبر الٰہ آبادی، مولانا عبدالماجد دریابادی اور مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ ہیں۔ چونکہ یہ حضرات براہِ راست مغرب سے واقف تھے، مغربی تصورات تک ان کی رسائی تھی، اسلامی عقائد اور تعلیمات سے یہ براہ راست واقف تھے، اس لیے ان کے ہاں نہ مرعوبیت تھی اور نہ محض قدیم کو نئے انداز میں پیش کرنے کی خواہش و کاوش۔ بلکہ انہوں نے علم کلام کو واقعتاً ایک نئے انداز سے پیش کرنے کی کوشش کی۔ لیکن برصغیر میں بلکہ جدید دنیائے اسلام میں جس شخصیت کو جدید علم کلام کا بانی قرار دیا جاسکتا ہے، جس کی حیثیت جدید علم کلام کی تاریخ میں وہی ہے جو قدیم علم الکلام کی تاریخ میں ابوالحسن اشعری کی تھی، وہ میرے خیال میں علامہ اقبال ہیں۔ وہ مغرب سے خوب واقف تھے اور ان تمام حضرات سے کہیں زیادہ واقف تھے جن کے میں نے نام لیے ہیں۔ وہ اسلام کے فکری سرچشموں سے بھی ان حضرات سے کم واقف نہیں تھے۔ سرسید کی طرح وہ مرعوبیت کے شکار نہیں ہوئے۔ وہ نہ سائنس کے حملہ سے خائف تھے اور نہ مغربی تہذیب کے کمزور پہلوؤں سے ناواقف۔ وہ اسلام کے مستقبل سے مایوس نہیں بلکہ انتہائی پُراُمید تھے، اور اتنے پُراُمید تھے کہ شاید ان سے زیادہ پُراُمید کوئی اور نہ ہوا ہو۔ وہ رازی اور رومی دونوں کی روایت کے جامع ہیں۔ عقلیات میں وہ بہت اونچا درجہ رکھتے ہیں۔ اور قلب کو اساس قرار دینے میں وہ رومی کی روایت کو زندہ کرنے والے ہیں۔ انہوں نے اپنے کلام میں نثر میں بھی اور نظم میں بھی ان تمام مسائل پر اظہار خیال کیا ہے جو علم کلام کے اساسی مسائل ہیں۔ ایمان، اسلام، توحید، نبوت و رسالت، ختم نبوت، فرشتوں پر ایمان، فرشتوں پر انسان کی برتری، جبر و قدر، امامت و خلافت، روزِ قیامت، جنت و دوزخ، معجزات و معراج، قلب و روح، حقیقت موت و حیات، عقل و نقل، نفس انسانی جیسے اہم مسائل پر انہوں نے منفرد اسلوب میں اظہارِ خیال کیا۔ ان میں سے بعض مسائل پر انہوں نے اتنی گہرائی سے اظہار خیال کیا ہے کہ وہ ایک نئے نقطہ نظر اور ایک نئے رجحان کے مؤسس قرار دیے جاسکتے ہیں۔ ختم نبوت پر ان کی تحریریں پوری اسلامی فکر کی تاریخ میں انتہائی جامع اور مؤثر تحریریں ہیں۔ فرشتوں پر انسان کی برتری کا معاملہ تمام متکلمین اٹھاتے رہے۔ لیکن جس انداز سے اقبال نے اس کو بیان کیا ہے کسی اور متکلم نے اقبال سے پہلے بیان نہیں کیا۔

برصغیر بلکہ خود دنیائے اسلام سے باہر مغربی دنیا میں بھی بیسویں صدی کے اوائل سے ایک نیا علم کلام سامنے آیا ہے

جس کی تاریخ اقبال سے خاصی پرانی ہے۔ یہ یورپ میں اسلام کے فکری اور فلسفیانہ پہلوؤں کے مطالعے کا آغاز ہے جو انیسویں صدی کے اواخر میں سامنے آیا۔ بیسویں صدی کے بہت اوائل سے اس روایت کا زور شور سے اظہار ہوا اور آج مغرب میں بڑی تعداد میں ایسے اہل علم موجود ہیں جو اس روایت کے علمبردار ہیں۔ گے ایٹن، مارٹن لنکو، شون، ولیم چیٹک، حسین نصر اور اس طرح کے کم وبیش ایک درجن یا اس سے زائد حضرات اس فکر کی نمائندگی کرتے ہیں۔ انہوں نے پوری ایک لائبریری پیدا کر دی ہے۔ سید حسین نصر کے علاوہ یہ حضرات دراصل مختلف مغربی اقوام سے تعلق رکھتے ہیں۔ اصلاً مغربی فکر وفلسفہ کے متخصص ہیں، لیکن انہوں نے اسلام کا مطالعہ بھی کیا۔ ان کے ہاں مرعوبیت کا کوئی سوال نہیں۔ یہ خود مغربی ہیں، مغربی فکر کو سمجھنے میں ان سے کوئی کوتاہی نہیں ہوئی۔ اس لیے کہ یہ اصلاً اسی کے متخصص ہیں۔ لیکن مغربی فکر کی کمزوریوں کی نشان دہی کرنے میں یہ حضرات اپنے بہت سے مشرقی معاصرین سے کہیں زیادہ ممتاز ہیں۔ یہ تو ہوسکتا ہے کہ ان میں سے کسی کی اسلامی رائے کے بارے میں ایک سے زائد نقطہ ہائے نظر قائم کیے جاسکیں یا ان کی اسلامی فارمولیشن کے بارے میں ایک سے زائد آراء دی جاسکیں، لیکن ان میں سے کسی کے اخلاص کے بارے میں شبہ کرنا مشکل معلوم ہوتا ہے۔

ان حضرات کی تحریروں کے نتیجے میں اور دوسرے بہت سے اسباب کی بناء پر اس وقت دنیا میں جس علم کلام کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے وہ اشاعرہ یا ماتریدیہ یا معتزلہ کا روایتی اور قدیم علم کلام یا نو معتزلہ کا علم کلام نہیں ہے۔ بلکہ یہ وہ علم کلام ہے جس کے نمائندہ مولانا جلال الدین رومی ہیں۔ رومی بیک وقت اشعری بھی ہیں اور ماتریدی بھی، وہ بیک وقت اشراقیت کے مثبت عناصر بھی رکھتے ہیں اور مشائین کے اسلوب استدلال کو بھی جہاں ضروری اور مفید سمجھتے ہیں، استعمال کرنے میں تردد نہیں کرتے۔ وہ قلب کو اپیل کرنے کی وجہ سے ایک وسیع تر حلقے کو متاثر کرنے میں اپنے زمانے میں بھی کامیاب ہوئے اور آج بھی کامیاب ہو رہے ہیں۔

آج ضرورت اس بات کی ہے کہ ایک ایسا علم کلام مرتب کیا جائے جو مغربی فکر کے تنقیدی مطالعے پر مبنی ہو، جس میں اسلامی عقائد کو یونانی الائشوں اور ہندوستانی آمیزشوں سے الگ کر کے خالص کتاب وسنت کی بنیاد پر متقدمین اور سلف کی تحریروں کی روشنی میں سمجھا گیا ہو اور نئے اسلوب استدلال سے اس کو بیان کیا گیا ہو۔ میرا خیال ہے کہ اس ضمن میں برصغیر کے اہل علم علامہ اقبال سے استفادے کی وجہ سے اور برصغیر کی بھرپور مغرب فہمی کی روایت کی وجہ سے اس بات کے زیادہ اہل ہیں کہ اس علم کلام کو مزید ترقی دے سکیں اور دنیا کی اس خواہش یا کمی کو پورا کر سکیں جو آج دنیا محسوس کر رہی ہے۔

میں شکر گزار ہوں کہ میری گزارشات پہلے کی طرح توجہ سے سنی گئیں۔

واخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین

قسط (۴)

مرتب: مولانا حافظ محمد عرفان اظہار حقانی
استاذ جامعہ دارالعلوم حقانیہ

عہد طالبعلمی میں مولانا سمیع الحق مدظلہ کے علمی منتخبات

ماخوذ از خودنوشت ڈائری ۱۹۵۳ء

عم محترم حضرت مولانا سمیع الحق صاحب دامت برکاتہم آٹھ نو سال کی نوعمری میں معمولات کی ڈائری لکھنے کے عادی تھے۔ان ڈائریوں میں آپ اپنے ذاتی اور عظیم والد شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ کے معمولات شب و روز اور اسفار کے علاوہ اعزہ واقارب' اہل محلہ وگردوپیش اور ملکی وبین الاقوامی سطح پر رونما ہونے والے احوال و واقعات درج فرماتے۔آپ کی اولین ڈائری ۱۹۴۹ء کی لکھی ہوئی ہے۔جس سے آپ کا ذوق اور علمی شغف بچپن سے عیاں ہوتا ہے۔احقر نے جب ان ڈائریوں پر سرسری نگاہ ڈالی تو معلوم ہوا کہ جابجا دوران مطالعہ کوئی عجیب واقعہ تحقیقی عبارت' علمی لطیفہ' مطلب خیز شعر' ادبی نکتہ' اور تاریخی عجوبہ آپ نے دیکھا تو اسے ڈائری میں محفوظ کرلیا۔اس پر دل میں خیال آیا کہ کیوں نہ مطالعہ کے اس نچوڑ اور سینکڑوں رسائل اور ہزارہا صفحات کے عطر کشید کو قارئین کے سامنے پیش کیا جائے جس سے آئندہ آنے والی نسلیں اور اسیرانِ ذوقِ مطالعہ استفادہ کرسکیں۔تاہم یہ واضح رہے کہ نہ تو یہ مستقل کوئی تالیف ہے اور نہ ہی شائع کرنے کے خیال سے اسے مرتب کیا گیا ہے۔اسلئے ان میں اسلوب کی یکسانیت اور موضوعاتی ربط پایا جانا ضروری نہیں..... (مرتب)

اقتباسات لمعات الھلال (علامہ ابوالکلام احمد مدظلہ): اجتماعی فسادات وامراض کے علاوہ سدِ بابِ اجتہاد اور اعتقادِ تقلید نے تمام علوم عقلیہ دینیہ کی ترقی روکی تھی اور علیٰ الخصوص علوم دینیہ کی درس وتدریس میں وہ تمام نقائص جن کو علامہ (ابن خلدون) نے اپنے زمانے میں محسوس کیا تھا' پیدا ہو چکے تھے' اور جو بالآخر بڑھتے بڑھتے آج اس حد تک پہنچ گئے ہیں کہ علوم قدیمہ کی تحصیل صرف متاخرین کی چند کتابوں اور حواشی وشروح کے پیچھے صرف دماغ کردینے میں محدود ہوگئے ہیں اور علوم قرآن وحدیث کے سرچشمہ ارشاد وہدایت اور منبع امر بالمعروف ونہی عن المنکر تھے' محض (تفسیر جلالین) اور (مشکوۃ) کے الفاظ سے مناسبت پیدا کرلینے کا نام رہ گیا ہے۔ (مجلہ الہلال ج ۲ ص ۲۱)

یاقومنا اجیبوا داعی اللہ اے برادران ملت! اللہ کی طرف پکارنے والے کسی پکار کا جواب دو۔

انفروا خفافاً وثقالا! آہ! کاش مجھے وہ صور قیام قیامت ملتا جس کو میں لے کر پہاڑ کے بلند چوٹیوں پر چڑھ

جاتا' اس کی ایک صدائے رعد آسا سائے غفلت شکن سے' سرگشتگان خواب ذلت ورسوائی کو بیدار کرتا' اور چیخ چیخ کر پکارتا کہ ''اٹھو کیونکہ بہت سو چکے' اور بیدار ہو! کیونکہ اب تمہارا خدا تمہیں بیدا کرنا چاہتا ہے! پھر تمہیں کیا ہوگا ہے کہ دنیا کو دیکھتے ہو' پر اس کی نہیں سنتے جو تمہیں موت کی جگہ حیات' زوال کی جگہ عروج' اور ذلت کی جگہ عزت بخشتا ہے۔

یٰایھا الذین امنوا استجیبوا للہ و للرسول اذا دعاکم لما یحییکم و اعلموآ ان اللہ یحول بین المرء و قلبہ و انہ الیہ تحشرون (۸:۲۳)

''اے مسلمانوں اللہ اور اس کے رسول کی صدا کا جواب دو' جبکہ وہ تمہیں بلا رہا ہے' تا کہ تم کو موت سے نکال کر زندگی بخشے' یاد رکھو کہ اللہ جب چاہتا ہے' انسان اور اس کے دل کے اندر آڑے آجاتا ہے' اور پھر خواہ تم اس سے کتنا ہی اعراض کرو مگر تم کو پھر پھر کے اسی کے آگے ایک دن جانا ہے۔''

آج آنے والے بربادیوں اور ہلاکتوں سے نکلنے کے لئے تم بیقرار ہو' اور اس کے لئے تم طرح طرح کی تدبیروں کو سوچتے اور ڈھونڈھتے ہو' لیکن یہ کیا بدبختی ہے کہ ایک لمحہ اور ایک دقیقہ کیلئے بھی تمہارے دل میں یہ خیال نہیں گزرتا کہ سب سے پہلے اس کو تو اپنے سے راضی کرلیں' جس کے دروازے سے بھاگ کر ساری دنیا میں ہم نے ذلتوں اور نامرادیوں کی ٹھوکریں کھائیں' حالانکہ وہ کہہ چکا ہے اور کہہ رہا ہے یٰایھا الذین آمنوآ ان تتقوا اللہ یجعل لکم فرقانا و یکفر عنکم سیاٰتکم و یغفرلکم و اللہ ذوالفضل العظیم (۸:۲۸)

''اے مسلمانوں اگر تم اللہ سے ڈرو اور اسکے حکموں کے آگے جھک جاؤ تو پھر تمہیں کسی چیز کے لئے بھی کسی دوسری تدبیر کے کرنے کی احتیاج باقی نہیں رہے گی۔ وہ دنیا میں تمہارے لئے عزت واقبال کا ایک شرف وامتیاز پیدا کردے گا اور تمہاری تمام گمراہیوں کو معاف کردے گا وہ تو سب سے زیادہ بخش دینے والا اور صاحب رحم الطاف ہے۔''

پھر اگر اٹھنا ہے تو اٹھ کھڑے ہو' کیونکہ چلنے کا وقت یہی ہے اور اس کے بعد موت کے سوا کچھ نہیں آج تم کو کوئی انجمن' کوئی جمع شدہ دولت اور روپیہ کی مقدار' کوئی پولیٹکل سرگرمی اور کوئی انسانوں اور ممبروں کے اجتماع محض' ایک جھٹا' آنے والے مصائب سے نہیں بچا سکتا' جب تک کہ خود تمہارے اندر کوئی انقلابی تبدیلی نہ ہو۔

ہند کی جدوجہد آزادی بغاوت نہیں: برطانوی حکومت کا ہندوستان پر قبضہ ناجائز وغاصبانہ ہے ہر ہندوستانی کو اس غاصبانہ قبضے کے خلاف ہتھیار اٹھانے اور اپنی مادر ہند کو آزاد کرنے کا حق حاصل ہے اور اس قسم کی جدوجہد ہرگز بغاوت نہیں۔ (جنرل شاہنواز' مقدمہ لال قلعہ) (۵/اگست)

خوابوں کی تعبیر: میں خوش ہوں کہ مجھے بڑھاپے میں جوانی کے خوابوں کی تعبیر مل گئی۔ برطانوی نظام حاکمیت رخصت سفر باندھ کر رخصت ہو رہا ہے۔ (سبحان الہند حضرت مولانا احمد سعید صاحب دہلوی اعظم گڑھ ۱۹۴۰) (۱۵/جولائی)

اقرار جرم: اگر حسن وصداقت کا اظہار جرم ہے تو میں اپنے جرم کا اقرار کرتا ہوں۔ (علامہ انور صابریؒ)

علماء کی طرف رجوع فریضہ دینی: مہمات شرع اور ضروریات دین میں علماء کی طرف رجوع کرنا اور پھر

ان کے فیصلوں اور فتاویٰ کے سامنے سراطاعت خم کرنا تمام مسلمانوں کے فرائض دینی میں داخل ہے۔ (مولانا عبدالعلیم صدیقی ۱۹۲۰) (۱۶ر جولائی)

اسلامی ممالک کے تحفظ کیلئے برطانیہ کو کمزور بنانا: برطانیہ کو اتنا مفلوج اور کمزور کردیا جائے کہ ہندوستان اور بیرون ہند کے اسلامی ممالک پر دست درازی نہ کرسکے۔ (کوکوناڈ)

ہند پر مسلم حکومت کا حملہ پست خیالی: یہ خطرہ کہ اگر کسی مسلمان حکومت نے ہندوستان پر حملہ کیا تو مسلمانوں کا رویہ کیا ہوگا۔ نہایت پست خیالی ہے۔ (علامہ انور شاہ کشمیریؒ۔ ۱۹۲۷ء پشاور) (۱۸ر جولائی)

جدید اقتصادی و مالی مسائل پر علماء کو غور وفکر کی ضرورت: ضرورت اس امر کی ہے کہ جدید اقتصادی و مالی مشکلات پر شرعی حیثیت سے علماء غور کریں اور جدید مالی و اقتصادی صورتوں کا جو حل اور جواب ہو اس کی خوب اشاعت کی جائے۔ (سید سلیمان ندوی ۱۹۴۶ء) (۱۹ر جولائی)

برطانوی اقتدار ہند پر ناسور: غلامی پر قناعت' اسلام سے بغاوت کے ہم معنی ہیں۔ برطانوی حکومت کو ہندوستان کے جسم پر ناسور تصور کرتا ہوں اور جتنی جلدی ہو سکے اس کو کاٹ کر پھینکنے کا متمنی ہوں۔ (شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ میرٹھ ۱۹۴۳ء) (۲۰ر جولائی)

ہندو مسلم جنگ آزمائیاں' سم قاتل: اگر فرض کرو ہندو مسلمان کے برتن سے پانی نہ پیے یا مسلمان ہندو کی ارتھی کو کاندھا نہ دے تو یہ ان دونوں کے لئے اتنا مہلک نہیں البتہ ان دونوں کی وہ حریفانہ جنگ آزمائیاں اور ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی کوششیں' اتفاق کے حق میں سم قاتل ہیں۔ (حضرت شیخ الہندؒ ۱۹۲۰ء) (۲۱ر جولائی)

اتحاد کی فضاء پیدا کرنا ہر ہندوستانی کا فریضہ: ہندوستان سب کا وطن ہے۔ ہندوستان ہی میں سب کو رہنا ہے اور زندگی بسر کرنی ہے اور (ہندو' مسلم) دونوں کا وطن یہی ہے اس لئے ہر ہندوستانی کا فرض ہے کہ وہ ایسی فضا پیدا کرنے کی کوشش کرے جس سے یہ روز روز کا جدال وقتال مندفع ہو اور ہر شخص امن واطمینان کی زندگی بسر کرسکے۔ (علامہ انور شاہ کشمیریؒ ۱۹۲۳ء بمقام پشاور' ماخوذ از الجمعیۃ علماء نمبر) (۲۲ر جولائی)

برطانیہ کے بارے میں میرا نقطہ نظر: میرا اعتقاد خونی گردش کی طرح رواں دواں ہے کہ برطانیہ کو ہندوستان سے نکل جانا چاہیے یا نکال دیا جانا چاہیے۔ میرے نزدیک غلامی اور آزادی میں کوئی مصالحت کی راہ نہیں۔ (مولانا حسرت موہانیؒ کانپور ۱۹۲۱ء) (۳۰ر جولائی)

بنگال میں انگریز سے قبل مدارس کی تعداد: انگریزی عمل داری سے قبل بنگال میں ۸۰ ہزار مدارس تھے۔ اس طرح چار سو آدمیوں کی آبادی کے لئے ایک مدرسہ کا اوسط ہوتا تھا۔ (روشن مستقبل)

اسلام کا انقلاب انگیز نظریہ توحید: مذہب کی بنیاد خدا کے صحیح تصور پر ہے اور یہی چیز اسلام نے ہندوستان

کودی ہے۔ مگر بہت کم ہیں جو کھلے دل سے اس سچائی کا اعتراف کرتے ہیں۔ اسلام نے دنیا کو جن بہتر عقائد ونظریات کا پیام دیا اسے انصاف کا ضمیر کبھی فراموش نہیں کرسکتا شاید یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ اسلام کا نظریہ توحید دنیا کا ایک انقلاب انگیز نظریہ ہے اور ایک ایسی عظیم الشان تحریک ہے جس کی نظیر ادیان ومذاہب کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ (۶۔۷راگست)

اسلام میں آزادی کے تصور مفہوم خدا کی رہنمائی: اسلام میں آزادی کا تصور یہ ہے کہ قدرت کا فعل انسان کو وجود میں لایا اور اسی قدرت کا قول انسان کی رہنمائی کرے مگر ایسا نہیں ہے بلکہ رہنمائی کا اختیار انسان کو دے دیا گیا ہے۔ تو یہ آزادی نہیں ہے غلامی اور محکومی ہے۔ ایسی غلامی جس سے ذلیل تر غلامی کوئی نہیں ہوسکتی۔ (۸راگست)

جمعیۃ العلماء نے قوم کو جو کچھ دیا: جمعیۃ العلماء نے مسلمانوں کی روح کو تازہ کیا اور مسلمانوں کو خواب غفلت سے بیدار کیا حقوق مذہبیہ اور قومیہ کے حصول کیلئے صبر وتحمل' مصائب ومشق کا خوگر بنادیا۔ یہی وجہ ہے کہ گزشتہ دور ابتلاء میں علمائے صادقین کی بہت بڑی جماعت نے قید وبند کی مصیبتیں برداشت کیں اور برادران وطن کیساتھ شریک ابتلاء رہے اور دونوں کو ایک ہی پیالے سے اقتدار واستبداد کی شراب کے تلخ کے گھونٹ پلائے گئے (خطبہ صدارت مولانا انور شاہ کشمیریؒ)

امام اعظم کے ساتھ لوگوں کی امانتیں: مات ابو حنیفۃؒ وفی بیتہ للناس ودائع خمسین الف الف امام اعظم ابوحنیفہؒ کی جب وفات ہوئی تو اس وقت آپکے گھر میں پچاس ملین یا پانچ کروڑ کی امانتیں لوگوں کی تھیں۔

حضور ﷺ کے فراق میں حضرت بلالؓ کی حالت: حضرت ابوعبداللہ بلال بن رباحؓ وصال نبویؐ کے بعد ان کے فراق سے دیوانہ ہوگئے۔ رات دن عربی کا شعر جس کا حاصل یہ ہے پڑھتے تھے۔

؎ جس توقع پر تھی اپنی زندگی وہ مٹ گئی جو بھروسہ تھا ہمیں وہ آسرا جاتا رہا

ان کی آنکھوں میں دنیا تاریک تھی۔ آنحضرتؐ کے مقامات خالی دیکھ کر ان کا کلیجہ شق ہوتا تھا۔ آخر اسی وجہ سے شام کو ہجرت کر گئے۔ (۹۔۱۰۔۱۱راگست)

جنگ عظیم کے بعد برطانوی شہنشاہی کا خواب حماقت: افسوس کہ ابھی تک انگلستان (برطانیہ) کو اپنی شہنشاہی کے مستقبل کی نسبت وہی امیدیں ہیں جو جنگ عظیم کے انقلاب سے پہلے تھیں۔ حالانکہ انقلاب کے بعد اس دور میں شہنشاہی کا تخیل حد درجہ مضحکہ انگیز ہے۔ اب جب برطانوی شہنشاہی کے پرانے ارکان اپنی جگہ سے ہل چکے ہیں۔ کسی نئی قوم کو غلام بنانے کا تصور حماقت ہے۔ (علامہ سلیمان ندویؒ)

اتحادیوں کا مقصد کمزوروں کی مدد نہیں بلکہ انہیں مٹانا: جنگ عظیم میں اتحادیوں کا دعویٰ تھا کہ وہ کمزور قوموں کی مدد کیلئے اٹھے ہیں لیکن جنگ کا خونی پردہ جب چاک ہوا تو معلوم ہوا کہ دراصل وہ کمزور قوموں کو مٹانے کیلئے اٹھے ہیں۔ اب دنیا کی کوئی قوم دوسری قوم کی محکومی کو برداشت نہیں کرسکتی اور اب پرانی سیاست کے سبز باغ دکھانا بیکار ہے۔

(علامہ سید سلیمان ندویؒ۔ آل انڈیا فلسطین کانفرنس۔ منقول از استقلال رمضان ۱۳۵۵ھ) (۱۲۔۱۳راگست)

دخترِ اسلام کے نام: تری آغوش ملت کی امیں ہے امانت آمنہ بن کر ادا کر
ترے فرزند ملت کے افق پر درخشاں ہوں مثال ماہ اختر
تو ہے زیب النسا' فخر النساء بھی رہے مستور جب تک تیرا پیکر
تری معصوی نسوانیت ہو مثال دخترؓ صدیق اکبرؓ (۱۴/اگست)

حکومتیں قوم کو کچھ نہیں دیتیں: آجکل کی حکومت دراصل قبرستان کی مانند ہے جو لینا جانتی ہے دینا نہیں (حضرت مدنیؒ)

تعلیماتِ قرآن کو مٹانا برٹش حکومت کا اصل مقصود: برٹش حکومت تعلیمات اسلام اور تعلیمات قرآن کو صفحہ دنیا سے مٹانے کیلئے طرح طرح کی اسکیمیں بروئے کار لا رہی ہیں۔ گلیڈسٹون بھرے مجمع میں قرآن مجید ہاتھ میں لیکر پکار کر کہتا ہے کہ "جب تک دنیا میں یہ کتاب موجود ہے' مہذب نہیں ہوسکتی (استغفراللہ) لارڈ میکالے کہتا ہے کہ ہماری تعلیم کا مقصد یہ ہے کہ ہندوستانی شکل وصورت اور رنگ میں تو ہندوستانی ہو مگر دل ودماغ سے انگریزی ہو۔ (شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ) (۱۵/اگست)

انسانی حرص: انسان عجیب حارص ہے' ہر کمال میں لامحدودیت کو پسند کرتا ہے۔ مال چاہتا ہے تو بھی' علم چاہتا ہے تو بھی' جائیداد ہو تو بھی غیر محدود۔ (ملفوظات: شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ ۵/شوال ۱۳۷۳ھ) (۱۶/اگست)

امام ابن السنیؒ کی حالت دعا میں رحلت: امام ابن السنیؒ کے صاحبزادے فرماتے ہیں کہ میرے والد نے ایک روز لکھتے لکھتے قلم دوات میں رکھا اور دعا کیلئے ہاتھ اٹھائے جو ہاتھ دعا کے واسطے اٹھے تھے پھر وہ قلم نہ اٹھا سکے اور عین حالت دعا میں روح عالم بالا کو پرواز کر گئی۔ انکی عمر اس وقت ۸۰ برس سے متجاوز تھی (تذکرہ الحفاظ جلد ۳ ص ۱۵۱) (۲۶/اگست)

حافظ ابن مندح کے والد موت کے دروازے پر: حافظ ابن مندہ کا بیان ہے کہ انکے والد جب دنیا سے رحلت کر رہے تھے تو حافظ سباحیؒ انکے سامنے غرائب شعبہ کی قرات میں مصروف تھے (تذکرہ الحفاظ جلد ۴ ص ۱۴۴) (۲۶/اگست)

امام نحویونسؒ کا انہماکِ علمی: امام نحویونسؒ نے ۸۸ برس کی عمر پائی۔ ابن خلکان ان کی نسبت لکھتے ہیں کہ ساری عمر انہوں نے شادی نہیں کی اور مرتے دم تک انکے پیش نظر سوائے طلب علم اور مذاکرہ علمیہ کے کچھ نہیں رہا۔

(ابن خلکان۔ ج ۲' ص ۴۱۶) (۲۷/اگست)

دارالعلوم کے سائن بورڈ پر ایک عارف کا شعر: دارالعلوم حقانیہ کی مقدس سرزمین کے سائن بورڈ پر کسی عارف نے (یا غالباً جناب اجمل خٹک نے) ایک دردانگیز شعر یوں لکھا:

ایرے مے پس لہ مرگہ کڑی خورے پہ دے چمن کنبی چہ حسن مے د فکر شی ظاھر پہ یاسمین کنبی.

(میری موت کے بعد میری راکھ کو اس چمن میں پھیلا دے تاکہ میری فکر کا حسن یاسمین (قطعہ زمین مدرسہ یا آسمان میں) میں ظاہر ہوسکے)

شخصیات دور قدیم اور مختصر تعارف: سقراط: قدیم یونان کا فلاسفر تھا۔ افلاطون: ارسطو کا استاذ اور سقراط کا شاگرد، مشہور یونانی فلاسفر تھا۔ ارسطو: افلاطون کا شاگرد خاص اور مشہور فلاسفر۔ فیثاغورث: فلاسفر اور حساب دان، مسئلہ تناسخ کا زبردست حامی تھا۔ چارلس ڈارون: مشہور مادہ پرست اور مسئلہ ارتقاء کا مدعی۔ البیرونی: ابوریحان نامی ریاضی داں، منجم، فلاسفر اور سنسکرت کا عالم تھا۔ البرٹ آئنسٹائن: ریلیوٹی تھیوری کا بانی۔ الفرڈ نوبل: ڈائنامائیٹ کا موجد، سوئیڈن کا مشہور سائنسدان۔ ھیون سانگ اور فاھین: دونوں چین کے مشہور سیاح۔ لارڈ لوئی مؤنٹ بٹن: دوسری جنگ عظیم میں مشرقی ایشیاء کے حلقے پر سپریم کمانڈر جو فروری ۱۹۴۷ء میں ہند کے وائسرائے مقرر ہوئے۔ اور پھر تقسیم کے بعد گورنر جنرل مقرر ہونے کے بعد سبکدوش ہو کر واپس چلے گئے۔ رچرڈ اٹلی: برطانیہ کے لیبر پارٹی کے لیڈر اور سلطنت انگلینڈ کے وزیر اعظم شاہ فاروق: عقلمند مصری نوجوان اور وہاں کے سابق شاہ۔ ابن سعود: جدید عرب کے بانی اور بیدار مغز سلطان تھے عصمت انونو: مصطفیٰ کمال کے بعد ترکی کے صدر۔ عبدالرحمٰن عزام پاشا: تحریک وحدت عربیہ کے روح رواں اور عرب لیگ کے سیکرٹری جنرل۔ جنرل فرانکو: چین کے ڈکٹیٹر۔ ھوم: قدیم یونان کا بڑا رزمیہ شاعر۔ فردوسی: محمود غزنوی کے زمانے میں فارسی کا نہایت مشہور شاعر۔ عمر وخیام: مشہور ایرانی شاعر اور رباعیات کے مصنف شیخ سعدی: گلستان، بوستان کے مصنف فارسی شاعر۔ ولیم شیکسپیئر: انگلستانی شاعر۔ ٹالسٹائے: جدید روسی ادب کے عظیم شخصیت۔ ٹیگور: بنگال کے بین الاقوامی شہرت کے حامل شاعر علامہ جمال الدین افغانی: ۱۲۵۷ھ کو ولادت ہوئی۔ ۱۲۷۳ھ میں سفر حجاز پر روانگی۔ کابل سے عزم حج کر کے مصر روانہ ہوئے۔ اسلام ازم کے بانی مہاتما گاندھی: عدم تشدد کی تحریک کا بانی، ہندو مسلم اتحاد کا بڑا داعی اور اسی مشن کی وجہ سے اسے گوڈسے نامی شخص نے ۳۰ رجون ۱۹۴۸ء کو گولی کا نشانہ بنایا گیا۔ جس سے وہ جانبر نہ ہو سکے۔ ابراہیم لنکن: امریکہ کا پریذیڈنٹ۔ غازی مصطفیٰ پاشا: جدید ترکی کے بانی اور پہلے جمہوری صدر۔ مسولین: اٹلی کا ڈکٹیٹر، دوسری جنگ عظیم میں جرمنی کے ساتھ شکست کھا کر پکڑے گئے اور پھر گولی کا نشانہ بنائے گئے۔ ہٹلر: معمولی سپاہی تھا۔ عقل ودانش سے آخر کار جرمنی کا ڈکٹیٹر بن گیا۔ جو دوسری جنگ عظیم میں اتحادیوں کے ہاتھوں شکست کھا کر مارا گیا علامہ محمد اقبال: ۱۸۷۵ء میں سیالکوٹ میں ولادت۔ لاہور میں تعلیم پائی۔ جبکہ ولایت میں بیرسٹری اور پی ایچ ڈی کی۔ جسکے بعد لاہور میں وکالت کا آغاز کیا۔ بانگ درا، بال جبریل، ضرب کلیم وغیرہ آپ کے اردو کے دیوان ہیں جبکہ فارسی دیوانوں میں پیام مشرق، اسرار خودی، رموز بے خودی، جاوید نامہ، مثنوی اور ارمغان حجاز شامل ہیں۔ ۱۹۳۸ء کو انتقال ہوا۔ سرسید احمد خان: دہلی کے رہنے والے ۱۸۱۷ء میں ولادت۔ ۱۸۷۵ء میں علی گڑھ کالج و یونیورسٹی کا قیام۔ تصنیفات میں مجموعہ مضامین سرسید، تفسیر القرآن اور آثار الضادان شامل ہیں۔ وفات ۲۸ مارچ ۱۸۹۸ء۔ تدفین کالج کی مسجد میں۔ (۷ تا ۱۶ ستمبر)

سوانح

جناب پروفیسر ڈاکٹر محمد سلیم شاہ

حضرت مولانا محمد امین اورکزئی شہید ایک عالم باعمل کی جدائی

کل بتاریخ ۱۱/ جون بروز جمعرات شام کے وقت رفیق محترم مولانا ڈاکٹر احمد جان صاحب نے بتایا کہ نئی خبر یہ ہے کہ مولانا محمد امین ہنگو والے بمباری میں شہید ہوگئے ہیں۔ رات خبروں میں بھی یہی خبر آئی اور صبح اخباروں میں بھی کہ ممتاز عالم دین مولانا محمد امین بمباری میں ہلاک ہوگئے ہیں۔ یہ خبر طبقہ اہل علم کے لئے ایک صاعقہ سماوی سے کم نہ تھی جو کہ اس نابغہ روزگار عالم دین کے علمی تعمق سے واقف تھے' پوری رات دل اس صدمے سے بے قرار رہا اور اب صبح کو جب یہ سطور قلمبند کر رہا ہوں تو دماغ میں سوچنے اور ہاتھ میں لکھنے کی سکت نہیں۔ یہ کیا ہو رہا ہے؟ اور کیوں ہو رہا ہے؟ علم وعمل کی ایک جامع ہستی کو اس ظالمانہ طریقے سے شہید کرنا یقیناً اللہ تعالیٰ کے عذاب کو دعوت دینے والی بات ہے اللہ تعالیٰ شہید مرحوم کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے آمین۔

مولانا محمد امین شہید سے راقم کا تعارف اس وقت ہوا تھا۔ جب راقم ۱۹۷۴ء میں درس نظامی کے آخری سال (دورۂ حدیث) کے لئے جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن (اس وقت مدرسہ عربیہ اسلامیہ نیو ٹاؤن) کراچی میں داخل ہوا تھا۔ دورۂ حدیث میں راقم کے ساتھ پاکستان کے مختلف علاقوں کے طلباء کے علاوہ چند غیر ملکی طالب علم بھی تھے۔ دورۂ حدیث طالب علم کے جہد مسلسل اور روز وشب محنت کا ایک اہم مرحلہ ہوتا ہے جس میں طلبہ کے درمیان اس وقت کے جید علماء کا تذکرہ کسی نہ کسی حوالے سے ہوتا ہے' چنانچہ اس وقت کے شرکائے دورہ کے درمیان جن جید علماء کا ذکر ہوتا تھا' ان میں سرفہرست مولانا محمد امین اورکزئی تھے جو کہ مدرسہ عربیہ اسلامیہ نیو ٹاؤن کے مدرس تھے اور اکثر دارالتصنیف میں ہوتے تھے کہ علامہ سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے امام طحاوی کی مشہور کتاب ''شرح معانی الآثار'' کی شرح لکھنے پر مامور تھے' دورہ حدیث کے طالب علم سنن ترمذی کی تشریحی نکات کے دلدادہ ہوتے ہیں۔ اس وقت شرکاء دورۂ کے ہاتھ میں ایک کتاب گردش کرتی رہتی تھی یہ مولانا محمد امین شہید کی لکھی ہوئی انہی تشریحی نکات پر مشتمل کتاب تھی' طلبہ ہاتھوں ہاتھ ایک دوسرے سے وہی کتاب لیتے تھے اور اس کے اہم حصے اپنے ساتھ قلمبند کرتے تھے بعض طالب علم تو پوری کتاب کی تصویر لیتے تھے' مولانا محمد امین شہید کی دینی کتاب ایک بیدار مغز طالب علم اور باذوق عالم دین کی ایک علمی شاہکار تھی جس میں حدیث اور علوم حدیث سے متعلق بہت اہم مباحث کے علاوہ کتب حدیث کے بعض مشکل مقامات کی

نہایت آسان تشریح وتوضیح کی گئی تھی جس سے دورۂ حدیث کے طلبہ استفادہ کرتے رہتے تھے' اس وقت پورے مدرسہ میں مولانا محمد امین شہید کے علمی تفوق کے چرچے تھے۔ یوں کہئے کہ اس مخصوص علمی ماحول میں ان ہی کا طوطی بول رہا تھا۔

مولانا شہید مدرسہ کے اندر رہتے تھے اور تمام طلباء کی دینی اور اخلاقی تربیت پر بہت توجہ دیتے تھے' انکی کوشش ہوتی تھی کہ طالب علم مدرسہ میں اپنا سارا وقت حصول علم میں لگادے' دروس میں حاضری ہو یا مطالعہ امتحانات کی تیاری ہو یا لائبریری سے استفادہ مولانا شہید ہر وقت طلبہ پر عالمانہ رعب کے ساتھ نظر شفقت رکھتے تھے' دورۂ حدیث سے فراغت کے بعد راقم الحروف کراچی ہی کے ایک مدرسہ میں مدرس ہوا تو ہفتہ دس دن کے بعد ضرور مدرسہ نیوٹاؤن آنا ہوتا تھا' جہاں پر اپنے ساتھی طالب علموں اور اساتذہ کے علاوہ مولانا محمد امین (شہید) سے بھی ملاقات ہوتی تھی ۱۹۷۶ء میں جب راقم الحروف تعلیمی سلسلے میں اسلامی یونیورسٹی مدینہ منورہ (سعودی عرب) چلا گیا۔ تو وہاں سے بھی مولانا شہید کے ساتھ خط و کتابت کا رابطہ رہتا تھا' مولانا شہید وقتاً فوقتاً اپنے نصائح سے نوازتے تھے وہ ہمیشہ حرمین کے ادب اور علمی اشتغال میں انہماک کی نصیحتیں کیا کرتے تھے اور تعطیلات گرما میں جب بہ راستہ کراچی وطن آتے تھے تو دو تین دن کراچی میں رہ کر مولانا شہید کی ملاقاتوں سے محظوظ ہوتے تھے اور پورے سال کی تشنگی دور ہو جاتی تھی۔ مولانا شہید کی زندگی خالص درویشانہ تھی وہ ہمیشہ مطالعہ کتب ذکر واذکار درس وتدریس اور نوافل میں مشغول رہتے تھے کبھی ان کو قہقہہ کے ساتھ ہنستے ہوئے نہیں دیکھا تھا اور نہ کبھی فارغ بیٹھے دیکھا تھا۔

مولانا شہید کو اپنے اساتذہ میں سے علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ سے والہانہ عقیدت ومحبت تھی اور حضرت بنوری بھی مولانا شہید کی خوبیوں اور صلاحیتوں سے باخبر تھے اس لئے تو انہوں نے ان کو مذکورہ شرح لکھنے پر مامور کیا تھا' علامہ بنوریؒ جیسے عالم کی طرف سے اگر یہ ایک بہت بڑا اعزاز تھا' تو یہ دوسری طرف مولانا شہید کی علمی عظمت کا اعتراف بھی تھا۔

حضرت علامہ سید محمد یوسفؒ کا ۱۹۷۷ء میں جب انتقال ہوگیا تو مولانا محمد امین شہید کو بے حد صدمہ ہوا' حضرت علامہ بنوریؒ کی آخری آرام گاہ چونکہ احاطہ مدرسہ میں ہے جہاں سے پانچ وقت نماز باجماعت کے لئے مولانا شہید کا گزر ہوتا تھا' اس طرح اپنے مربی اور استاد کے فراق کا زخم اس کے دل میں تازہ سے تازہ تر ہوتا رہتا تھا' چنانچہ جب یہ سلسلہ مولانا محمد امین شہید کی برداشت سے باہر ہوگیا تو وہ آخرکار مدرسہ عربیہ اسلامیہ نیوٹاؤن کو چھوڑ کر اپنے آبائی وطن شاہودام ہنگو چلے گئے اور وہاں پر حضرت بنوریؒ کے نام سے موسوم 'جامعہ یوسفیہ'' کے نام سے ایک علمی ادارے کی داغ بیل ڈالی۔ جامعہ یوسفیہ علوم اسلامیہ وعربیہ کی تدریس کا ایک اہم ادارہ ہے جس میں درس وتدریس کے علاوہ طالب علم کی دینی اور اخلاقی تربیت کا بھی اہتمام ہے۔ مولانا محمد امین شہید نے ملک بھر سے چن چن کر جید اور مخلص علماء تدریس کے لئے اکٹھے کر لئے' جن میں اکثریت ان علماء کی تھی جو دینی علوم کی تدریس پر معاوضہ لینے کے لئے تیار نہیں تھے' چنانچہ جب

جامعہ یوسفیہ کے مخلص طلبہ اس قسم کے مخلص اساتذہ سے علوم دینیہ کے اسباق لیتے تھے' تو ان کا عالم ہی کچھ اور ہوتا تھا کہ ملک کے عام دینی مدارس و جامعات میں جس علمی ناپختگی کا رونا رویا جاتا ہے' جامعہ یوسفیہ کے طلبہ اس ناپختگی سے دور ہوتے تھے' مولانا شہید کا یہ بھی نظریہ تھا کہ وفاق المدارس کی شہادات کا سرکاری تعلیمی اداروں سے معادلہ ہونے کے بعد درس نظامی کے طلبہ میں طلب علم کا جذبہ مغلوب اور شہادۃ (سرٹیفکیٹ) کے حصول کی خواہش غالب ہوتی ہے جس کی وجہ سے طالب علم میں علمی پختگی آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے۔اس لئے مولانا شہید نے ''جامعہ یوسفیہ'' کو وفاق سے الگ رکھنے کا فیصلہ کر رکھا تھا۔

مولانا شہید علماء وسلف کی طرز زندگی اپنا کر رہتے تھے وہ مال و دولت کا ذکر بالکل نہیں کرتے تھے کہ اس لالچ سے وہ کوسوں دور تھے' حضرت بنوریؒ کی وفات کے بعد ان کا زیادہ میل ملاپ حضرت مولانا فضل محمد صاحبؒ (فاضل دیوبند) مہتمم جامعہ مخزن العلوم منگورہ سوات سے رہتا تھا۔عموماً عیدین اور دیگر تعطیلات کے موقعوں پر وہ اپنے ایک دو مدرسین اور شاگردوں کی معیت میں ان کے ہاں حاضر ہوتے تھے۔

مولانا محمد امین شہید کا اہم تصنیفی کارنامہ اس کی کتاب (نثر الازھا علی شرح معانی الآثار ہے) یہ کتاب شہید نے جامعہ یوسفیہ شاہ منگو ہی سے شائع کیا ہے۔راقم الحروف کو مولانا شہید نے اس کتاب کی دو جلدیں اپنے دست مبارک سے عنایت فرمائے تھے علمی دنیا میں اس وقت صوبہ سرحد میں اس پائے کا عالم شاید کوئی ہو وہ ایک عالم باعمل تھے اپنے علاقے کے عوام میں بے حد مقبول تھے اور ہر طبقے کے لوگ انہیں احترام کی نظر سے دیکھتے تھے۔

وہ پورے ملک میں اور اپنے علاقے میں امن وامان کے بہت بڑے داعی تھے اور اس سلسلہ میں انتظامیہ سے تعاون بھی کرتے تھے حالیہ سالوں میں فرقہ وارانہ ہم آہنگی کے لئے جو کونسل تشکیل دی گئی تھی' مولانا شہید اس کے اہم رکن تھے۔

افسوس کا مقام ہے کہ ان کی شہادت پاکستانی طیاروں کی بمباری سے ہوئی یہی سب کچھ اگر امریکی ڈرون حملوں سے ہو چکا ہوتا تو اس پر اتنا افسوس نہ ہوتا کہ اہل کفر کا کام ہی علماء حق کو ختم کرنا ہے' اپنوں کے ہاتھوں اس قسم کی اہل ہستی کی شہادت ایک ناقابل فراموش اور افسوسناک واقعہ ہے۔

حضرت مولانا شہید کو اس سفاکانہ طریقے سے شہید کرنے پر راقم الحروف کا خیال تھا کہ ملک کے صف اول کے علماء اور زعماء سراپا احتجاج بن جائیں گے لیکن دیکھا کہ خاموشی ہی خاموشی ہے راقم الحروف کو یقین ہو گیا کہ اہل عزیمت علماء کا کاروان گزر گیا ہے اور اب صرف گرد وغبار ہی رہ گیا ہے۔

ع کاروان کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

مولانا محمد عمر انور

استاذ جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

استخارہ سنت کے مطابق کیجیے

خیر اور بھلائی طلب کرنا: استخارہ کا مطلب ہے کسی معاملے میں خیر اور بھلائی کا طلب کرنا، یعنی روزمرہ کی زندگی میں پیش آنے والے اپنے ہر جائز کام میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا اور اللہ سے اس کام میں خیر، بھلائی اور رہنمائی طلب کرنا، استخارہ کے عمل کو یہ سمجھنا کہ اس سے کوئی خبر مل جاتی ہے تو یہ بہت بڑی غلط فہمی ہے جس کی وجہ سے کئی غلط فہمیوں نے جنم لیا جن کا تفصیل سے تذکرہ آگے آرہا ہے، استخارہ ایک مسنون عمل ہے، جس کا طریقہ اور دعا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث میں منقول ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو ہر کام سے پہلے اہمیت کے ساتھ استخارے کی تعلیم دیا کرتے تھے، حدیث کے الفاظ پر غور فرمایئے حضرت جابر بن عبداللہ ؓ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

اذا هم احدكم بالامر فليركع ركعتين من غير الفريضة [بخاری]

ترجمہ: جب تم میں سے کوئی شخص کسی بھی کام کا ارادہ کرے تو اس کو چاہیے کہ فرض نماز کے علاوہ دو رکعت نفل پڑھے۔

استخارہ حدیث نبوی کی روشنی میں:

۱ –عن جابر بن عبد الله رضى الله تعالى عنه قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يعلمنا الاستخارة فى الامور كلها كما يعلمنا سورة من القرآن [ترمذی]

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو تمام کاموں میں استخارہ اتنی اہمیت سے سکھاتے تھے جیسے قرآن مجید کی سورت کی تعلیم دیتے تھے۔

استخارہ نہ کرنا محرومی اور بدنصیبی ہے ایک حدیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

۲ –من شقوة ابن آدم تركه استخارة الله [مجمع الاسانید]

یعنی اللہ تعالیٰ سے استخارہ کا چھوڑ دینا اور نہ کرنا انسان کے لیے بدبختی اور بدنصیبی میں شمار ہوتا ہے۔

اسی طرح ایک حدیث میں حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

۳– عن سعد بن وقاص عن النبى صلى الله عليه وسلم قال: من سعادة ابن ادم استخارته من

اللہ و من شقاوته ترک الاستخارة و من سعادة ابن آدم رضاه بما قضاه الله ومن شقوة ابن آدم سخطه بما قضى الله. [مشکوۃ]

ترجمہ: انسان کی سعادت اور نیک بختی یہ ہے کہ اپنے کاموں میں استخارہ کرے اور بدنصیبی یہ ہے کہ استخارہ کو چھوڑ بیٹھے، اور انسان کی خوش نصیبی اس میں ہے کہ اس کے بارے میں کیے گئے اللہ کے ہر فیصلے پر راضی رہے اور بدبختی یہ ہے کہ وہ اللہ کے فیصلے پر ناراضگی کا اظہار کرے۔

استخارہ کرنے والا ناکام نہیں ہوگا: ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

۴-ما خاب من استخار وما ندم من استشار [طبرانی]

یعنی جو آدمی اپنے معاملات میں استخارہ کرتا ہو وہ کبھی ناکام نہیں ہوگا اور جو شخص اپنے کاموں میں مشورہ کرتا ہو اس کو کبھی شرمندگی یا پچھتاوے کا سامنا نہ کرنا پڑے گا کہ میں نے یہ کام کیوں کیا؟ یا میں نے یہ کام کیوں نہیں کیا؟، اس لیے کہ جو کام کیا وہ مشورہ کے بعد کیا اور اگر نہیں کیا تو مشورہ کے بعد نہیں کیا، اس وجہ سے وہ شرمندہ نہیں ہوگا۔

اس حدیث میں جو یہ فرمایا کہ استخارہ کرنے والا ناکام نہیں ہوگا، مطلب اس کا یہ کہ انجام کے اعتبار سے استخارہ کرنے والے کو ضرور کامیابی ہوگی، چاہے کسی موقع پر اس کے دل میں یہ خیال بھی آجائے کہ جو کام ہوا وہ اچھا نہیں ہوا، لیکن اس خیال کے آنے کے باوجود کامیابی اسی شخص کو ہوگی جو اللہ تعالیٰ سے استخارہ کرتا رہے، اسی طرح جو شخص مشورہ کر کے کام کرے گا وہ کبھی پچھتائے گا نہیں، اس لیے کہ خدانخواستہ اگر وہ کام خراب بھی ہو گیا تو اس کے دل میں اس بات کی تسلی ہوگی کہ میں نے یہ کام اپنی خودرائی اور اپنے بل بوتے پر نہیں کیا تھا بلکہ اپنے دوستوں اور بڑوں سے مشورہ کے بعد کیا تھا، اب آگے اللہ تعالیٰ کے حوالے ہے کہ وہ جیسا چاہیں فیصلہ فرمادیں۔ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو باتوں کا مشورہ دیا ہے کہ جب بھی کسی کام میں کشمکش ہو تو دو کام کرلیا کرو، ایک استخارہ اور دوسرے استشارہ یعنی مشورہ۔

استخارہ کا مقصد محدث العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''واضح ہو کہ استخارۂ مسنونہ کا مقصد یہ ہے کہ بندے کے ذمے جو کام تھا وہ اس نے کرلیا اور اپنے آپ کو حق تعالیٰ کے علم محیط اور قدرت کاملہ کے حوالہ کر دیا، گویا استخارہ کرنے سے بندہ اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہو گیا، ظاہر ہے کہ اگر کوئی انسان کسی تجربہ کار عاقل اور شریف شخص سے مشورہ کرنے جاتا ہے تو وہ شخص صحیح مشورہ ہی دیتا ہے اور اپنی مقدور کے مطابق اس کی اعانت بھی کرتا ہے، گویا استخارہ کیا ہے؟ حق تعالیٰ سے مشورہ لینا ہے، اپنی درخواست استخارہ کی شکل میں پیش کر دی، حق تعالیٰ سے بڑھ کر کون رحیم و کریم ہے؟ اس کا کرم بے نظیر ہے، علم کامل ہے اور قدرت بے عدیل ہے، اب جو صورت انسان کے حق میں مفید ہوگی، حق تعالیٰ اس کی توفیق دے گا، اس کی رہنمائی فرمائے گا، پھر نہ سوچنے کی ضرورت، نہ خواب میں نظر آنے کی حاجت، جو اس کے حق میں خیر ہوگا وہی ہوگا، چاہے اس کے علم میں اس کی

بھلائی آئے یا نہ آئے، اطمینان وسکون فی الحال حاصل ہو یا نہ ہو، ہوگا وہی جو خیر ہوگا، یہ ہے استخارہ مسنونہ کا مطلوب !اسی لئے تمام امت کے لئے تا قیامت یہ دستور العمل چھوڑا گیا ہے"۔ [دور حاضر کے فتنے اور ان کا علاج]

استخارہ کی حکمت: حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ تعالی نے اپنی شہرۂ آفاق تصنیف "حجة الله البالغة" میں استخارہ کی دو حکمتیں بیان فرمائیں ہیں:

۱-فال نکالنے سے نجات اور اس کی حرمت

۱-پہلی حکمت یہ کہ زمانہ جاہلیت میں دستور تھا کہ جب کوئی اہم کام کرنا ہوتا مثلاً سفر یا نکاح یا کوئی بڑا سودا کرنا ہوتا تو وہ تیروں کے ذریعے فال نکالا کرتے تھے، یہ تیر کعبہ شریف کے مجاور کے پاس رہتے تھے، ان میں سے کسی تیر پر لکھا ہوتا "امرنی ربی" (میرے رب نے مجھے حکم دیا ہے) اور کسی پر لکھا ہوتا "نهانی ربی" (میرے رب نے مجھے منع کیا ہے) اور کوئی تیر بے نشان ہوتا، اس پر کچھ لکھا ہوا نہیں ہوتا تھا، مجاور تھیلا ہلا کر فال طلب کرنے والے سے کہتا کہ ہاتھ ڈال کر ایک تیر نکال لے، اگر "امرنی ربی" (کام کے حکم) والا تیر نکلتا تو وہ شخص کام کرتا اور "نهانی ربی" (کام سے منع) والا تیر نکلتا تو وہ کام سے رک جاتا اور بے نشان تیر ہاتھ میں آتا تو دوبارہ فال نکالی جاتی، سورۃ مائدہ آیت نمبر ۳ کے ذریعے اس کی حرمت نازل ہوئی، اور حرمت کی دو وجہیں ہیں:

۱-یہ ایک بے بنیاد عمل ہے اور محض اتفاق ہے، جب بھی تھیلے میں ہاتھ ڈالا جائے گا تو کوئی نہ کوئی تیر ضرور ہاتھ آئے گا۔

۲-اس طرح سے فال نکالنا یہ اللہ تعالی پر افترا اور جھوٹا الزام ہے، اللہ تعالی نے کہاں حکم دیا ہے اور کب منع کیا ہے؟ اور اللہ پر افترا حرام ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو فال کی جگہ استخارہ کی تعلیم دی ہے، اس میں حکمت یہ ہے کہ جب بندہ رب علیم سے رہنمائی کی التجا کرتا ہے تو اپنے معاملے کو اپنے مولی کے حوالے کر کے اللہ کی مرضی معلوم کرنے کا شدید خواہش مند ہوتا ہے اور وہ اللہ تعالی کے دروازے پر جا پڑتا ہے اور اس کا دل ملتجی ہوتا ہے تو ممکن نہیں کہ اللہ تعالی اپنے بندے کی رہنمائی اور مدد نہ فرمائیں، اللہ تعالی کی طرف سے فیضان کا باب کشادہ ہوتا ہے، اور اس پر معاملہ کا راز کھولا جاتا ہے، چنانچہ استخارہ محض اتفاق نہیں ہے، بلکہ اس کی مضبوط بنیاد ہے۔

۲-فرشتوں سے مشابہت　۲-دوسری حکمت یہ کہ استخارہ کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ انسان فرشتہ صفت بن جاتا ہے، استخارہ کرنے والا اپنی ذاتی رائے سے نکل جاتا ہے اور اپنی مرضی کو خدا کی مرضی کے تابع کر دیتا ہے، اس کی بہیمیت (حیوانیت) ملکیت (فرشتہ صفتی) کی تابع داری کرنے لگتی ہے اور وہ اپنا رخ پوری طرح اللہ کی طرف جھکا دیتا ہے تو اس میں فرشتوں کی سی خوبو پیدا ہو جاتی ہے، ملائکہ الہام ربانی کا انتظام کرتے ہیں اور جب ان کو الہام ہوتا ہے تو وہ داعیہ ربانی سے اس معاملے میں اپنی سی پوری کوشش خرچ کرتے ہیں، ان میں کوئی داعیہ نفسانی نہیں ہوتا، اسی طرح

جو بندہ بکثرت استخارہ کرتا ہے وہ رفتہ رفتہ فرشتوں کے مانند ہو جاتا ہے، حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ :ملائکہ کے مانند بننے کا یہ ایک تیر بہدف مجرب نسخہ ہے جو چاہے آزما کر دیکھے۔[حجۃ اللہ البالغۃ]

استخارہ کا مسنون اور صحیح طریقہ　سنت کے مطابق استخارہ کا سیدھا سادہ اور آسان طریقہ یہ ہے کہ دن رات میں کسی بھی وقت [بشرطیکہ وہ نفل کی ادائیگی کا مکروہ وقت نہ ہو] دو رکعت نفل استخارہ کی نیت سے پڑھیں، نیت یہ کرے کہ میرے سامنے یہ معاملہ یا مسئلہ ہے، اس میں جو راستہ میرے حق میں بہتر ہو، اللہ تعالیٰ اس کا فیصلہ فرمادیں۔ سلام پھیر کر نماز کے بعد استخارہ کی وہ مسنون دعا مانگیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تلقین فرمائی ہے، یہ بڑی عجیب دعا ہے، اللہ جل شانہ کے نبی ہی یہ دعا مانگ سکتے ہے اور کسی کے بس کی بات نہیں، کوئی گوشہ زندگی کا اس دعا میں نبی ﷺ نے چھوڑا نہیں، اگر انسان ایڑی چوٹی کا زور لگالیتا تو بھی ایسی دعا کبھی نہ کرسکتا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تلقین فرمائی، اگر کسی کو دعا یاد نہ ہو تو کوئی بات نہیں کتاب سے دیکھ کر یہ دعا مانگ لے، اگر عربی میں دعا مانگنے میں دقت ہو رہی ہو تو ساتھ ساتھ اردو میں بھی یہ دعا مانگے، بس! دعا کے جتنے الفاظ ہیں، وہی اس سے مطلوب ومقصود ہیں، وہ الفاظ یہ ہیں:

استخارہ کی مسنون دعا:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ أَسْتَخِیْرُکَ بِعِلْمِکَ ، وَ أَسْتَقْدِرُکَ بِقُدْرَتِکَ، وَ أَسْأَلُکَ مِنْ فَضْلِکَ الْعَظِیْمِ ، فَاِنَّکَ تَقْدِرُ وَ لاَ أَقْدِرُ، وَ تَعْلَمُ وَلاَ أَعْلَمُ ، وَ أَنْتَ عَلاَّمُ الْغُیُوْبِ .اَللّٰھُمَّ اِنْ کُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّ ھٰذَا الْأَمْرَ خَیْرٌ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَ مَعَاشِیْ وَ عَاقِبَۃِ أَمْرِیْ وَ عَاجِلِہٖ وَ اٰجِلِہٖ ، فَاقْدِرْہُ لِیْ ، وَ یَسِّرْہُ لِیْ ، ثُمَّ بَارِکْ لِیْ فِیْہِ وَ اِنْ کُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّ ھٰذَا الْأَمْرَ شَرٌّ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَمَعَاشِیْ وَ عَاقِبَۃِ أَمْرِیْ وَ عَاجِلِہٖ وَ اٰجِلِہٖ ، فَاصْرِفْہُ عَنِّیْ وَاصْرِفْنِیْ عَنْہُ ، وَاقْدِرْ لِیَ الْخَیْرَ حَیْثُ کَانَ ثُمَّ اَرْضِنِیْ بِہٖ. [بخاری،ترمذی]

دعا کرتے وقت جب "ھذا الامر" پر پہنچے [جس کے نیچے لکیر بنی ہے] تو اگر عربی جانتا ہے تو اس جگہ اپنی حاجت کا تذکرہ کرے یعنی "ھذا الامر" کی جگہ اپنے کام کا نام لے، مثلاً "ھذا السفر" یا "ھذا النکاح" یا "ھذہ التجارۃ" یا "ھذا البیع" کہے، اور اگر عربی نہیں جانتا تو "ھذا الأمر" میکہہ کر دل میں اپنے اس کام کے بارے میں سوچے اور دھیان دے جس کے لیے استخارہ کر رہا ہے۔

استخارہ کی دعا کا مطلب ومفہوم:　اے اللہ! میں آپ کے علم کا واسطہ دے کر آپ سے خیر اور بھلائی طلب کرتا ہوں اور آپ کی قدرت کا واسطہ دے کر میں اچھائی پر قدرت طلب کرتا ہوں، آپ غیب کو جاننے والے ہیں۔

اے اللہ! آپ علم رکھتے ہیں میں علم نہیں رکھتا، یعنی یہ معاملہ میرے حق میں بہتر ہے یا نہیں، اس کا علم آپ کو ہے، مجھے نہیں، اور آپ قدرت رکھتے ہیں اور مجھ میں قوت نہیں۔

یا اللہ! اگر آپ کے علم میں ہے کہ یہ معاملہ (اس موقع پر اس معاملہ کا تصور دل میں لائیں جس کے لیے استخارہ کر رہا ہے) میرے حق میں بہتر ہے، میرے دین کے لیے بھی بہتر ہے، میری معاش اور دنیا کے اعتبار سے بھی بہتر ہے اور انجام کار کے اعتبار سے بھی بہتر ہے اور میرے فوری نفع کے اعتبار سے اور دیر پا فائدے کے اعتبار سے بھی تو اس کو میرے لیے مقدر فرما دیجیے اور اس کو میرے لیے آسان فرما دیجیے اور اس میں میرے لیے برکت پیدا فرما دیجیے۔

اور اگر آپ کے علم میں یہ بات ہے کہ یہ معاملہ (اس موقع پر اس معاملہ کا تصور دل میں لائیں جس کے لیے استخارہ کر رہا ہے) میرے حق میں برا ہے، میرے دین کے حق میں برا ہے یا میری دنیا اور معاش کے حق میں برا ہے یا میرے انجام کار کے اعتبار سے برا ہے، فوری نفع اور دیر پا نفع کے اعتبار سے بھی بہتر نہیں ہے تو اس کام کو مجھ سے پھیر دیجیے اور مجھے اس سے پھیر دیجیے اور میرے لیے خیر مقدر فرما دیجیے جہاں بھی ہو، یعنی اگر یہ معاملہ میرے لیے بہتر نہیں ہے تو اس کو چھوڑ دیجیے اور اس کے بدلے جو کام میرے لیے بہتر ہو اس کو مقدر فرما دیجیے، پھر مجھے اس پر راضی بھی کر دیجیے اور اس پر مطمئن بھی کر دیجیے۔ [اصلاحی خطبات]

استخارہ کتنی بار کیا جائے؟ حضرت انسؓ ایک روایت میں فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ انس! جب تم کسی کام کا ارادہ کرو تو اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے سات مرتبہ استخارہ کرو، پھر اس کے بعد (اس کا نتیجہ) دیکھو، تمہارے دل میں جو کچھ ڈالا جائے، یعنی استخارے کے نتیجے میں بارگاہ حق کی جانب سے جو چیز القاء کی جائے اسی کو اختیار کرو کہ تمہارے لیے وہی بہتر ہے۔ [مظاہر حق]

بہتر یہ ہے کہ استخارہ تین سے سات دن تک پابندی کیساتھ متواتر کیا جائے، اگر اسکے بعد بھی تذبذب اور شک باقی رہے تو استخارہ کا عمل مسلسل جاری رکھے، جب تک کسی ایک طرف رجحان نہ ہو جائے کوئی عملی اقدام نہ کرے، اس موقعہ پر اتنی بات سمجھنی ضروری ہے کہ استخارہ کرنے کیلئے کوئی مدت متعین نہیں حضرت عمرؓ نے جو ایک ماہ تک استخارہ کیا تھا تو ایک ماہ بعد آپ کو شرح صدر ہو گیا تھا اگر شرح صدر نہ ہوتا تو آپ آگے بھی استخارہ جاری رکھتے۔ [رحمۃ اللہ الواسعۃ]

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ''دعائے استخارہ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے دعائے خیر کرتا رہے، استخارہ کرنے کے بعد ندامت نہیں ہوتی اور یہ مشورہ کرنا نہیں ہے، کیونکہ مشورہ تو دوستوں سے ہوتا ہے، استخارہ سنت عمل ہے، اسکی دعا مشہور ہے، اسکے پڑھ لینے سے سات روز کے اندر اندر قلب میں ایک رجحان پیدا ہو جاتا ہے اور یہ خواب میں کچھ نظر آنا، یا یہ قلبی رجحان حجت شرعیہ نہیں ہیں کہ ضرور ایسا کرنا ہی پڑے گا، اور یہ جو دوسروں سے استخارہ کرایا کرتے ہیں، یہ کچھ نہیں ہے، بعض لوگوں نے عملیات مقرر کر لیے ہیں دائیں طرف یا بائیں طرف گردن پھیرنا یہ سب غلط ہیں، ہاں دوسروں سے کرالینا گناہ تو نہیں لیکن اس دعا کے الفاظ ہی ایسے ہیں کہ خود کرنا چاہیے''۔ [مجالس مفتی اعظم]

استخارہ کا نتیجہ اور مقبول ہونے کی علامت' استخارہ سے کس طرح رہنمائی ملے گی؟

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ استخارہ کا صرف اتنا اثر ہوتا ہے کہ جس کام میں تردد اور شک ہو کہ یوں کرنا بہتر ہے یا یوں؟ یا یہ کرنا بہتر ہے یا نہیں؟ تو استخارے کے مسنون عمل سے دو فائدے ہوتے ہیں:

۱- دل کا کسی ایک بات پر مطمئن ہو جانا۔ ۲- اور اس مصلحت کے اسباب میسر ہو جانا۔

تاہم اس میں خواب آنا ضروری نہیں۔ [اصلاح انقلاب امت]

استخارہ میں صرف یکسوئی کا حاصل ہونا استخارہ کے مقبول ہونے کی دلیل ہے، اس کے بعد اس کے مقتضی پر عمل کرے، اگر کئی مرتبہ استخارہ کے بعد بھی یکسوئی اور کسی ایک جانب اطمینان نہ ہو تو استخارہ کے ساتھ ساتھ استشارہ بھی کرے یعنی اس کام میں کسی سے مشورہ بھی لے لیکن استخارہ میں ضروری نہیں کہ یکسوئی ہو ہی کرے۔ [الکلام الحسن]

بعض حضرات کا کہنا یہ ہے کہ استخارہ کرنے کے بعد خود انسان کے دل کا رجحان ایک طرف ہو جاتا ہے، بس جس طرف رجحان ہو جائے وہ کام کر لے، اور بکثرت ایسا رجحان ہو جاتا ہے، لیکن بالفرض اگر کسی ایک طرف رجحان نہ بھی ہو بلکہ دل میں کشمکش موجود ہو تو بھی استخارہ کا مقصد حاصل ہو گیا، اس لیے کہ بندہ کے استخارہ کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ وہی کرتے ہیں جو اس کے حق میں بہتر ہوتا ہے، اس کے بعد حالات ایسے پیدا ہو جاتے ہیں پھر وہی ہوتا ہے جس میں بندے کے لیے خیر ہوتی ہے اور اس کو پہلے سے معلوم بھی نہیں ہوتا، بعض اوقات انسان ایک راستے کو بہت اچھا سمجھ رہا ہوتا ہے لیکن اچانک رکاوٹیں پیدا ہو جاتی ہیں اور اللہ تعالیٰ اس کو اس بندے سے پھیر دیتے ہیں، لہٰذا اللہ تعالیٰ استخارہ کے بعد اسباب ایسے پیدا فرما دیتے ہیں کہ پھر وہی ہوتا ہے جس میں بندے کے لیے خیر ہوتی ہے، اب خیر کس میں ہے؟ انسان کو پتہ نہیں ہوتا لیکن اللہ تعالیٰ فیصلہ فرما دیتے ہیں۔

بس استخارہ کی حقیقت اتنی سی ہے کہ دو رکعت نفل پڑھ کر دعا مانگ لی، پھر آگے جو ہوگا اسی میں خیر ہے، کام ہو گیا تو خیر! نہیں ہوا تو خیر! دل جس طرف متوجہ ہو جائے اور جس کے اسباب پیدا ہو رہے ہوں یقین کر لیں کہ یہی میرے لیے بہتر ہے اور اگر دل کی توجہ ہٹ گئی یا اسباب پیدا نہیں ہوئے یا اسباب موجود تھے مگر استخارہ کے بعد ختم ہو گئے، کام نہیں ہو سکا تو اطمینان رکھے، اللہ پر یقین رکھے کہ اس میں میری بہتری ہوگی، اپنی طبیعت بہت چاہتی ہے مگر اللہ تعالیٰ میرے نفع و نقصان کو مجھ سے زیادہ بہتر جانتے ہیں، اس طرح سوچنے سے ان شاء اللہ اطمینان ہو جائے گا، اگر دل کا رجحان کسی جانب نہ ہو تو صرف اسباب کے پیش نظر جو فیصلہ بھی کر لے گا اس میں خیر ہوگی، خدانخواستہ اگر استخارہ کے بعد کوئی نقصان بھی ہو جائے تو عقیدہ رکھے کہ استخارہ کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے چھوٹے نقصان کے ذریعے کسی بڑے نقصان سے بچا لیا، استخارہ کی دعا میں دین کا ذکر پہلے ہے اور دنیا کا بعد میں، اس لیے کہ مسلمان کا اصل مقصد دین ہے، دنیا تو درحقیقت دین کے تابع ہے۔ (جاری ہے)

مولانا حذیفہ وستانوی*

آزادی، مساوات، اتحادِ ادیان

تین خوش نما اصطلاحات اور اس کی فتنہ سامانیاں

ماسونیت دراصل ایک خفیہ یہودی تحریک ہے جس نے دنیا کی تخریب کاری میں اہم ترین رول ادا کیا ہے ہم یہاں دورِ حاضر کے الحاد کے لیے اس تحریک کے ایک منصوبے کو بیان کرنا چاہیں گے، جو چند صدیوں پیشتر مذکورہ تحریک نے بنائے تھے۔

آزادی، اتحادادیان، مساوات:

۱۷۱۷ء میں ماسونیوں نے برطانیہ میں ایک عظیم کانفرنس کا انعقاد کیا تھا جس میں انہوں نے، آزادی، اتحاد ادیان اور مساوات تینوں خوشنما اصطلاحات کو وضع کیا اور پوری دنیا کو اس پر متفق کرنے کی کوشش کرنے کا اعلان کیا، دراصل یہی دورِ حاضر کے الحاد اور بے دینی کی اساس اور بنیاد ثابت ہوا، اسلئے کہ ان کا مقصد اس سے بڑا ہلاکت خیز تھا۔

آزادی کا ماسونی مفہوم:

اس یہودی ماسونی تحریک نے آزادی کے نام پر دنیا میں ایسا عظیم فساد برپا کیا کہ (الامان والحفیظ)۔ اس لیے کہ آزادی سے اس کی مراد مذہب اور دین سے آزادی یعنی انسان نفسانی خواہشات کا غلام بن کر رہ جائے، اور مذہب کے تمام مطالبات کو پس پشت ڈال دے، اس کے لیے ان ائمہ ضلال اور شیطانی چیلوں نے ڈارون کو نظریۂ ارتقاء کو محقق مدلل (اپنے گمان وزعم کے مطابق) ثابت کرنے کے لیے کھڑا کیا، اس نے دنیا کے سامنے اپنی تحقیق اس انداز میں پیش کی: ''میں پانچ سال تک خشکی اور تری میں زندگی کے آثار اور اس کے مبدأ کے بارے میں جستجو کرتا رہا تو اس نتیجے پر پہنچا کہ یہ دنیا کے پھیلاؤ میں ''عمل ارتقاء'' کارفرما ہے''۔ حالانکہ حقیقت سے اس کا دور کا بھی واسطہ نہیں، محض ایک دھوکہ اور فریب ہے، اس کے پس پردہ، اللہ کے وجود، خالقیت و مالکیت کا انکار لازم آتا ہے، جو انسان کو دہریت اور لادینیت کی طرف دھکیل دیتا ہے، اسلام تو اول یوم ہی سے اس کو مسترد کر چکا تھا، مگر ۱۹۵۲ء میں سائنس نے بھی اس نظریہ کو مسترد کر دیا جیسا کہ مورس بوکائے نے فرعون کے لاش کی دریافت ہونے

---

* استاذ جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم۔ اکل کوا، نندوربار (مہاراشٹر)

کے بعد اس پر ہونے والی تحقیقات کے بعد ثابت کیا ہے کہ ہزاروں سال پرانے اس انسان میں بندر یا ارتقاء کا کوئی قرینہ یا کوئی ثبوت ہمیں نہیں ملا اور دوسری بھی اس کی تائید کے لئے کوئی ایسی ویسی چیز ہاتھ نہیں لگی، بلکہ اس سے ارتقاء کی تردید لازم آتی ہے، جیسا کہ ترکی محقق ہارون یحییٰ نے بھی اپنی کتاب میں ثابت کیا ہے، تعجب ہے کہ بہت سے نام نہاد مسلمان بھی ''نظریۂ ارتقاء'' کو تسلیم ہی کرنے پر نہیں بلکہ اس کی تردید پر تردید کرنے پر تلے ہوئے ہیں، اور ۱۹۷۲ء میں D.N.A. کے منظر عام پر آنے کے بعد کلیۃً اس نظریہ کی مکمل تردید ہو چکی ہے، مگر پھر بھی دنیا بھر کے اسکولی نصاب میں سے اس کو ہٹایا نہیں گیا کیوں کہ اس صورت میں مذہب کی ضرورت لازمی ہو جائے گی، لہٰذا قصداً ایسا نہیں کیا گیا۔

اس انیسویں صدی میں فرائڈ کو ''نظریۂ جنسیت'' کے لئے کھڑا کیا، اور مارتھیس کو ''نظریۂ آبادی'' کے لئے کھڑا کیا اور کارل مارکس کو ''اشتراکیت'' کے لئے کھڑا کیا۔ غرضیکہ بے شمار ایسے فراڈ اور دھوکہ باز، عیار، مفسد، ضال و مضل فلسفیوں کو الحاد اور بے دینی عام کرنے کے لیے کھڑا کیا، جنہوں نے دنیا کو شرارت کی اوج پر لا کھڑا کر دیا، یہاں قابلِ غور پہلو یہ ہے کہ ۱۷۱۷ء کی ماسونی مذہب کی مذکورہ کانفرنس کے بعد ہی یہ تمام تحریکیں وجود میں آئیں، اس کا مطلب یہی ہوا کہ یہ وجود میں آئی نہیں لائی گئیں ہیں اور زیادہ تعجب کن امر یہ ہے کہ تمام فلاسفر انگریز اور یہودی تھے، تو معلوم ہوا، کہ ایک منظم سازش اور پلان کے تحت، یہ کام ہوا ہے، اللہ ہماری ہر طرح کے فتنے سے حفاظت فرمائے۔

مساوات کا نعرہ اور اس کا تباہ کاریاں:

مساوات مرد و زن کے نعرے کی بازگشت بھی اسی ماسونی کانفرنس سے ہوئی اور پھر دنیا میں اس نے کیا کہرام مچایا وہ سب پر عیاں ہے، عورتوں کو برہنہ یا نیم برہنہ کر کے مارکیٹ میں لا کھڑا کر دیا، زنا کاری کے لائسنس دیئے جانے لگے اور اس کو پیشہ سے تعبیر کیا گیا، اور یہ کاروبار دنیا میں سب سے زیادہ منافع بخش کاروبار بن گیا ہے، اس عظیم فتنے نے ایسا کہرام مچایا کہ بیان سے باہر ہے، ساری انسانیت کو لپیٹ میں لے لیا، اور ام الفتن کی حیثیت اختیار کر لی۔ ''آزادیٔ نسواں''، ''حقوقِ نسواں''، ''یومِ عاشقاں'' کے نام پر، عورت کی عفت اور پاکدامنی کو تار تار کر دیا، اس کی عزت سے کھلواڑ کیا گیا اور کیا جا رہا ہے، اس کے تقدس کا پامال کیا گیا اور کیا جا رہا ہے، اب عورت محفوظ نہیں رہی، آئے دن اخبارات میں رپورٹیں اور خبریں شائع ہوتی رہتی ہے کہ عورت کو ہوس کا شکار بنا کر قتل کیا گیا، اس کی عصمت دری کی گئی، یہ سب اسی مردود اصطلاح ''آزادیٔ نسواں'' کا نتیجہ ہے۔

اتحادِ ادیان اور اس کی فتنہ سامانیاں:

اتحادِ ادیان کے نام پر دنیا میں حق و باطل کے فرق و امتیاز کو ختم کیا جا رہا ہے، اور یہ باور کرانے کی کوشش کی جا رہی ہے، ''ایشور، اللہ، گوڈ'' سب ایک ہیں، صرف اہلِ ادیان کے یہاں ناموں میں فرق ہے، حالانکہ ایسا نہیں، کیوں کہ مسلمان کے نزدیک اللہ کی تعریف یہ ہے، اللہ وہ ہستی ہے جو تمام صفات کمال کی حامل اور تمام صفات رذیلہ و

ذمیمہ سے مبرہ و پاک صاف ہے، وہی خالق مطلق، ازض مطلق، مالک حقیقی، متصرف عالم، ابدی وازلی، حی وقیوم ہے، نہ وہ معطل ہے نہ محتاج، نہ اسے اونگھ آتی ہے نہ نیند، وہی قہار وجبار، وہ بڑے وسیع علم کا مالک، اس پر نہ تھکاوٹ آتی ہے، اور نہ ہی اکتاہٹ، وہ قادرِ مطلق ہے وہ اکیلا ہے، نہ اس کی بیوی ہے اور نہ اولاد، نہ وہ کسی سے جنا ہے اور نہ اس سے کوئی جنا، کائنات میں کوئی اس کا ہم سر وشریک نہیں، وہی معبود برحق ہے، اس کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں وہی اطاعت کے حقدار ہے، وہ کائنات کے ذرے ذرے کا پیدا کرنے والا اور اس کو حسن تدبیر کے ساتھ پروان چڑھانے والا ہے، وہی تعریف وحمد کے لائق ہے، وہی موت وحیات کا مالک ہے۔

غرضیکہ اسلام کا تصور اس باب میں واضح ہے۔ دوسری جانب دیگر مذاہب میں شرک بھی جائز ہے، جائز نہیں اصل اساس وبنیاد ہے، بلکہ جوہری اساس ہے، لہٰذا یہ کہنا سراسر بے بنیاد ہے کہ صرف اللہ کی ذات کے بارے میں مذاہب کا اختلاف لفظی ہے۔ یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ ہمارے یہاں جو اللہ کی ذات جل جلالہ کا تصور ہے، بالکل اس کے برخلاف عیسائیت، یہودیت اور دنیا کے دیگر مذاہب میں ہے، لہٰذا مسلمان، کبھی بھی اس کا مجاز نہیں کہ وہ اتحادادیان یا تقریب مذاہب پر ایمان لے آئے، اور اگر وہ ایسا کر گذرے، تب تو وہ مسلمان ہی نہیں رہا۔

یہ تھی اتحادِ ادیان کی فتنہ سامانیاں جو مسلمان کو روح ایمانی ہی سے محروم کر کے رکھ دیتی ہے، اللہ ہماری حفاظت فرمائے، اور ایمان کی محبت وعظمت سے ہمارے قلوب کو معمور فرماوے۔ آمین یارب العالمین!

خلاصۂ کلام یہ کہ ماسونیت نے مختلف انداز اور اہداف سے پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لئے رکھا ہے، اور دنیا میں فکری بربادی کے باب میں بڑا اہم رول ادا کیا، اور کرتی جارہی ہے، قادیانیت، بہائیت، شیوعیت، اشتراکیت، صہیونیت، گوہر شاہیت، یہ اسی کے آلۂ کار ہیں۔ ضرورت ہے ہم مسلمانوں کو چوکنا رہنے کی، ورنہ کیا سے کیا ہوسکتا ہے۔ لہٰذا مسلمانوں سے گذارش ہے کہ وہ ''اتحادادیان''، ''آزادی''، ''مساوات''، ''حقوق انسان''، ''حقوق نسواں'' وغیرہ کے اصطلاحات مذمومہ کے فریب میں نہ آئیں۔ ان اصطلاحات کی اصل حقیقت کو قرآن بیان کرتا ہے:

زخرف القول غرورا　یہ چکنے چپڑے خوش تمام الفاظ محض دھوکہ ہے،

اللہ ہماری پورے پوری حفاظت فرمائے۔ آمین!

خط وکتابت کرتے وقت اپنے خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیجئے۔

آپ اپنے مضامین بذریعہ ای میل بھی بنام ایڈیٹر الحق بھیج سکتے ہیں

جناب تنویر آفاقی

مصری خاتون کہتی ہیں:

''پردہ میری زندگی سے الگ نہ ہونے والا حصہ ہے''

(ذیل میں مصری سینما سے وابستہ رہ چکیں سابقہ اداکارہ حنان ترک کے انٹرویو کے اہم اجزاء پیش کئے جارہے ہیں' حنان ترک مصری سینما کی نئی ابھرتی ہوئی اداکارہ تھیں جنہیں بے انتہاء مقبولیت حاصل ہورہی تھی' لیکن عین اس وقت جب کہ وہ شہرت کی بلندیوں کو چھورہی تھیں انہیں ہدایت نصیب ہوئی' اور وہ سب کچھ چھوڑ کر دینی زندگی کی طرف واپس آگئی ہیں۔ کبھی سینما کی مشہور اور مقبول ترین اداکارہ کی حیثیت سے معروف ہونے کی خواہش رکھنے والی حنان ترک اب اپنی تمنا کا اظہار یوں کرتی ہیں'' میں اللہ سے دعا کرتی ہوں کہ اس نے جس طرح مجھے دنیا میں شہرت سے نوازا ہے' اسی طرح میرا شمار مشاہیر اہل آخرت میں کردے' میری آرزو ہے کہ وہ اپنے یہاں ایسا لقب عطا فرمائے جس سے وہ خوش اور راضی ہو۔'' حنان ترک اب دعوت تبلیغ کے میدان سے وابستہ ہیں۔ یہاں ان کے ایک تازہ ترین انٹرویو کے اہم اجزاء پیش کئے جارہے ہیں۔ یہ انٹرویو برمنگھم میں اس وقت لیا گیا تھا جب وہ خواتین کے ایک پروگرام میں بہ طور مہمان خصوصی تشریف لائی تھیں)

حنان ترک اپنی نئی زندگی کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے رسول پاک ﷺ کا یہ ارشاد دہراتی ہیں کہ:'' اللہ تعالیٰ جب کسی بندے کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کو استعمال کرتا ہے۔'' عرض کیا گیا اس کا استعمال کیا ہے؟ فرمایا: ''اس کی موت سے پہلے اللہ تعالیٰ اس کے لئے عمل صالح کا دروازہ کھول دیتا ہے' یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس سے اور اس کے ماحول سے راضی ہوجاتا ہے۔'' (احمد)

انہیں یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بھی ان کے ساتھ خیر کا ارادہ فرمایا ہے۔ اسی لئے انہیں تنہائی میں اللہ کے حضور رہنے میں سکون اور راحت محسوس ہوتی ہے' لوگوں کی ضرورتیں پوری کرنے اور ان کے کام آنے میں انہیں خوشی اور راحت ملتی ہے۔ ان کے بہ قول یہی وہ خیر ہے جس کو اللہ کے رسول ﷺ نے یوں بیان فرمایا ہے:'' جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتا ہے تو اسے لوگوں کی ضرورتیں پوری کرنے کیلئے استعمال کرتا ہے۔ (بیہقی)

ایمان مغازی الشرقاوی' جنہوں نے انٹرویو لیا ہے' ان سے ملاقات کے وقت کے اپنے تاثر کو یوں بیان

کرتی ہیں: ''جب میں حنان ترک سے ملی تو مجھے ایک انتہائی متواضع اور متبسم شخصیت نظر آئیں۔انہوں نے اپنے چہرے پر کسی قسم کا میک اپ نہیں کر رکھا تھا' لیکن ان کے چہرے پر نور کی کرنیں عیاں تھیں۔

ان کا جلباب (گاؤن یا برقع) ایسا تھا کہ اس میں سے کچھ نظر آنا مشکل تھا۔اس برقع نے ان کے پورے جسم کو ڈھانک رکھا تھا۔''

اپنا تعارف کراتے ہوئے حنان نے کہا: میرا نام حنان حسن محمد عبدالکریم ہے۔۷رمارچ ۱۹۷۵ء کو میری پیدائش ہوئی۔۱۹۹۱ء میں پہلی بار ایک فلم میں کام کیا۔دینی زندگی کی طرف واپس آنے اور پردے کو اپنا شعار بنانے اور میری زندگی میں تبدیلی لانے میں کئی اسلامی وداعی شخصیات نے کردار ادا کیا۔کیونکہ ۱۹۹۷ء سے ہی میں دین کی تفصیلات باریکی سے جاننے کی کوشش کرنے لگی تھی' اللہ تعالیٰ کی مرضی اور قرآن کریم کی برکت ہی تھی کہ میں نے بہت سے شیوخ سے استفادہ کیا اور سب نے میری زندگی کو کسی نہ کسی پہلو سے متاثر کیا بعد میں میں شرعی علوم کی تعلیم سے وابستہ ہوگئی اور بعض امہات کتب کا مطالعہ کیا تا کہ میرے علم میں وسعت آسکے اور میں ان کتابوں سے کچھ سیکھ سکوں۔ ابھی بھی میں زیر تعلیم ہوں اور اگر چہ میں دوسرے لوگوں سے کافی پیچھے ہوں تاہم مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مشیت سے میری مدد فرمائے گا۔''

پردہ شروع کرنے کے بعد اہل خانہ اور احباب کے ردعمل کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے کہا: ''جس سال میں نے پردہ شروع کیا مجھے یہ اندیشہ لاحق رہا کہ کہیں میں اپنے اس ارادے میں ناکام نہ ہوجاؤں' یا ابھی جس کیفیت سے دوچار ہوں وہ بدل نہ جائے' اس لئے میں نے یہ فیصلہ کیا کہ میں تمام لوگوں' احباب ہوں کہ دشمن' سے دور ہی رہوں گی۔ میں نے دور ونزدیک سب سے رشتہ منقطع کرلیا اور اپنے بچوں کو لے کر اللہ کے حضور میں معتکف ومتوجہ ہوگئی۔ میں نے خود پر باہر کا دروازہ اس وقت تک بند رکھا جب تک میں اپنی اس نئی زندگی کی عادی نہیں ہوگئی اور جب حجاب اور پردے کی حالاوت سے پوری طرح آشنا ہوگئی تو پھر میں نے باہر نکلنا اور لوگوں سے بات کرنی شروع کی۔اس کے ساتھ ساتھ میں رات ودن اللہ کے حضور سجدہ ریز ہوکر دعا بھی کرتی رہی۔حجاب سے پہلے میں سرگشتہ وگمراہ تھی۔میں بہت بے چین رہتی تھی لیکن بے چینی اور قلق کے اسباب مجھے معلوم نہیں تھے۔البتہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے دوری ہی انسان کو بے چینی اور قلق سے دوچار کرتی ہے۔میرا حال یہ ہے کہ میں راتوں کو بھی سو نہیں پاتی تھی۔اس کیلئے مجھے خواب آور دواؤں کا سہارا لینا پڑتا تھا۔لیکن حجاب کے بعد مجھے سکون واطمینان کا احساس ہوا' مجھے لگا کہ حالات اب معمول پر آئے ہیں' اگر چہ اب بھی میں خطا سے پاک نہیں ہوں لیکن ہمارے اندر کا مسلمان یہ محسوس کرتا ہے کہ اللہ کے حضور اس کا سمع وطاعت کا اعلان ہی فطری طور سے اسے اطمینان بخشتا ہے۔اب میری کوشش اللہ سے قریب

تر ہونے اور دین کی سمجھ اپنے اندر پیدا کرنے کی رہتی ہے' میں یہ محسوس کرتی ہوں کہ مجھے جو کچھ بھی علم حاصل ہے وہ صرف اللہ کے فضل سے حاصل ہے۔لوگوں نے مجھ پر تنقیدیں کرنی شروع کردیں کہ میں اس عمر میں پردہ کیوں کرنے لگی' بڑھاپا آجاتا تو پردہ کرلیتی۔اسکے جواب میں لوگوں سے یہی کہتی کہ مجھے یہ ضمانت دے دیجئے کہ میں بڑھاپے تک زندہ رہوں گی۔اگر چہ مجھے یہ معلوم نہیں کہ لوگ پردے کو کم عمر عورتوں یا لڑکیوں سے کیوں دور رکھنا چاہتے ہیں لیکن اگر میری عمر کی ضمانت مل جائے اور یہ قطعی طور پر معلوم ہوجائے کہ مجھے ابھی موت نہیں آئیگی تو میں پردہ ترک کردونگی۔لیکن ظاہر ہے موت کا وقت کسی کو بھی معلوم نہیں ہے۔گویا حجاب پہننے کی بھی کوئی عمر نہیں ہے۔کیا پردہ اختیار کرنے کے بعد آزمائشیں بھی آئیں اس سوال کا جواب دینے کے بعد موصوفہ نے فرمایا' پردہ اختیار کرنے کے بعد میرے شوہر نے مجھے طلاق دے دی اور مجھ سے میرے بچوں کو بھی چھین لیا۔کیونکہ ان کو یہ بات پسند نہیں تھی کہ ان کی بیوی پردے میں رہے۔لیکن میں نے فیصلہ کرلیا تھا کہ اب کوئی بھی میری زندگی سے پردے اور حجاب کو الگ نہیں کرسکے گا۔کیونکہ اللہ کی معصیت میں مخلوق کی اطاعت جائز نہیں ہے۔اس کیلئے میں اپنے بچوں سے بھی محروم کردی گئی لیکن یہ محرومی بھی زیادہ دن تک نہیں رہی۔اب یہ دونوں بچے کچھ دن میرے پاس رہتے ہیں اور کچھ دن اپنے والد کے پاس۔حجاب کے بعد میری مالی حالت بھی متاثر ہوئی۔کیونکہ اب میں کام نہیں کرتی تھی۔لیکن ''اور جو اللہ کا تقویٰ اختیار کرتا ہے' اللہ تعالیٰ اس کیلئے راہ نکال دیتا ہے اور اس کو ایسی جگہ سے رزق دیتا ہے جس کا وہ گمان بھی نہیں کرتا۔'' (الطلاق)

میں نے اپنے سر کو صرف اس لئے ڈھانپ کر رکھا ہے کہ میں اس میں ایمان کی حلاوت اور راحت وسکون محسوس کرتی ہوں اور اسے خوبصورتی کی علامت سمجھتی ہوں۔اس میں آزمائشوں کا آنا بدیہی ہے کیونکہ ہم دار امتحان میں ہیں' جنت میں نہیں ہیں۔

ایک اور سوال کے جواب میں حنان ترک نے کہا: ''اب ہر معاشرے میں باپردہ خواتین کی تعداد بڑھنے لگی ہے۔جس کی ایک مثال یہاں برمنگھم کے اس پروگرام میں بھی نظر آرہی ہے۔میں ہمیشہ یہ بات کہتی ہوں کہ حجاب یا پردہ تو ایک 'یونیفارم' ہے۔کیا آپ یہ نہیں چاہتیں کہ آپ کا نام ایک مسلم یا مومن کی حیثیت سے لیا جائے۔اگر آپ مومن بن کر رہنا چاہتی ہیں تو ضروری ہے کہ آپ اسلام کے دروازے میں اس کے اوامر واحکام کے راستے سے داخل ہوں' آپ کے پاسپورٹ میں' آپ کے شناختی کارڈ میں سب جگہ لکھا ہے کہ آپ مسلم ہیں۔اس کا یونیفارم اختیار نہ کرنے کے باوجود بھی آپ نے اپنی شناخت مسلم کی بناء رکھی ہے تو اس کا جرمانہ آپ سے کیوں نہ لیا جائے؟ مثال کے طور پر میں کسی اسکول میں داخلہ اور وہاں سے تعلیم اس وقت تک حاصل نہیں کرسکتی جب تک کہ میں اس کے قواعد وضوابط کی پابندی نہ کروں' اور اس اسکول کی جو یونیفارم ہے وہی پہن کر نہ آؤں۔اللہ کی مثال اس سے بھی اعلیٰ ہے۔اللہ تعالیٰ

آپ کو یوں ہی نہیں چھوڑ دے گا کہ آپ مسلم بھی کہلائیں۔ اور اس کے ضوابط کی پابندی بھی نہ کریں۔ اس نے آپ کو پردہ کرنے کا حکم دیا ہے۔ حجاب یہ ہے کہ آپ اپنے سر اور جسم کو غیر مردوں کی نظر سے بچا کر ڈھانپ کر رکھیں۔

حجاب ایسا نہ ہو کہ اس سے اندر کی چیز صاف نظر آئے۔ حجاب یا پردے کا مسئلہ بہت واضح ہے لیکن ہم خود ہی اسے گنجلک بنا دیتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ عورت جب ڈھیلا ڈھالا اور پورے جسم کو ڈھک لینے والا لباس پہنتی ہے تو وہ زیادہ خوب صورت نظر آتی ہے۔ یہ چیز یورپ نے محسوس کر لی ہے۔ چنانچہ جب اہل یورپ نے دیکھا کہ عرب اور اسلامی ممالک میں باپردہ خواتین کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے اور پردے کا رجحان تیزی سے بڑھ رہا ہے تو انہوں نے اپنے فیشن اور رواج کو اسی کے تابع کرنا شروع کر دیا۔ یہ بھی اسلام کی مدد ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اہل یورپ اس تہذیب کی طرف راغب کرنے میں ناکام رہے جو انہیں بڑی اچھی لگتی ہے۔ تو انہوں نے وہی تیار کرنا شروع کر دیا جو ہمارے لئے مناسب ہے۔

حنان ترک ذاتی طور پر اور مختلف فلاحی اداروں کے ذریعے بھی خدمت خلق کا کام بھی انجام دے رہی ہیں۔ اس سلسلے میں انہوں نے بتایا: ''گزشتہ دنوں ہم دارفور (سوڈان) گئے تھے' اور ان شاء اللہ وہاں ۲۰۰۹ء کے آخر تک ایک ہسپتال اور مدرسہ تعمیر کیا جائے گا۔ اس کے علاوہ وہاں کے لوگوں میں چھوٹی صنعت کی صلاحیت پیدا کرنے کے لئے بھی ایک ادارہ قائم کیا جائے گا۔

اپنی خواہش اور آرزو کے متعلق انہوں نے بتایا کہ ''میں اللہ سے دعا کرتی ہے کہ اس نے جس طرح مجھے دنیا میں شہرت سے نوازا ہے' اسی طرح میرا شمار مشاہیر اہل آخرت میں کر دے۔ میری آرزو ہے کہ وہ اپنے یہاں مجھے ایسا لقب عطا فرمائے جس سے وہ خوش اور راضی ہو جائے''

تربیت کے ایک بہت ہی اہم نکتے کو واضح کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ ''میری اور بہن بھائیوں کی تربیت اس نہج پر ہوئی کہ جس کام سے روکنا ہوا تو کہا گیا کہ یہ برا کام' یہ نہیں بتایا گیا کہ یہ حرام بھی ہے۔ اسی طرح ہمیں کہیں جانے سے روکا گیا تو کہا گیا کہ وہاں مت جاؤ ورنہ لوگ ایسا کہیں گے۔ لیکن میری اللہ سے دعا ہے کہ وہ مجھے اپنے بچوں کی تربیت اس نہج پر کرنے میں کامیابی نصیب فرمائے کہ فلاں کام حرام ہے نہ کہ محض برا۔ اسی طرح میرے بچے یہ بھی جان لیں کہ حرام کیا اور حلال کیا ہے اور ان دونوں کے درمیان فرق کیا ہے (المتجمع :شمارہ ۱۸۱۷)

---

(۳)　　مولانا سید حبیب اللہ شاہ حقانی

فضلائے حقانیہ کی تالیفی، تصنیفی اور اشاعتی خدمات

مولانا سید حبیب اللہ شاہ حقانی' فضلاء حقانیہ کے علمی' ادبی' تحریری' تصنیفی اور تالیفی خدمات پر کام کررہے ہیں۔۔علم وادب' تحریر اور تصنیف وتالیف سے شغف رکھنے والے تمام فضلاء حقانیہ سے درخواست ہے کہ اپنا مختصر تعارف' خدمات اور تصنیفات وتالیفات کا تعارف مولانا موصوف کے نام بھیجیں تاکہ وہ اس عظیم تاریخی کام کو بہ سہولت آگے بڑھاسکیں۔

رابطہ ایڈریس :مولانا سید حبیب اللہ شاہ حقانی' رکن القاسم اکیڈمی' جامعہ ابوہریرہ خالق آباد نوشہرہ ------ (ادارہ)

مولانا قاضی محمد نسیم حقانی ___ مفتی غلام قادر نعمانی ___ مولانا ضیاء الرحمٰن الکوثری

مولانا قاضی محمد نسیم حقانی: آپ کلاچی ضلع ڈیرہ اسماعیل خان کے مشہور قاضی خاندان جو ہمیشہ سے علم وعرفان کا گہوارہ رہا ہے، میں حضرت مولانا قاضی عبدالکریم صاحب مدظلہٗ فاضل دارالعلوم دیوبند کے گھر پیدا ہوئے۔

ابتدائی تعلیم : اپنے والد گرامی کے قائم کردہ گلشنِ علم مدرسہ عربیہ نجم المدارس کلاچی میں ناظرۂ قرآن، حفظِ قرآن اور درسِ نظامی کے کتب موقوف علیہ تک پڑھیں۔ دورۂ حدیث کے لئے ۱۴۰۰ھ بمطابق ۱۹۷۹،۸۰ء میں دیوبند ثانی جامعہ دارالعلوم حقانیہ میں داخلہ لیا اور اس وقت سلاطینِ علم اساتذہ میں محدثِ کبیر، فخر المحدثین، شیخ الحدیث مولانا عبدالحق ؒ، صدر المدرسین حضرت مولانا عبدالحلیمؒ، حضرت مولانا محمد علیؒ، شیخ الحدیث مولانا مفتی محمد فرید مدظلہٗ اور جامعہ دارالعلوم حقانیہ کے مہتمم شیخ الحدیث مولانا سمیع الحق مدظلہٗ سے استفادہ کیا۔

درس وتدریس : فراغت کے بعد اپنی مادرِ علمی نجم المدارس میں اپنے والد گرامی فقیہ وقت حضرت مولانا قاضی عبدالکریم مدظلہٗ کے زیرنگرانی تخصص فی الفقہ شروع کیا۔ بعدازاں طلبہ کے اژدحام کی وجہ سے درس وتدریس کے مبارک شعبہ سے منسلک ہوئے اور تاحال تدریسی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ اس کے علاوہ تعلیمی، تبلیغی، عوامی اجتماعات میں وعظ وتقریر بھی فرماتے رہتے ہیں۔

تصنیفات وتالیفات: مولانا قاضی محمد نسیم حقانی نے درس وتدریس اور وعظ وتبلیغ اور خطاب وتقریر کے ساتھ ساتھ قلم سے بھی رشتہ جوڑے رکھا اور جن اہم موضوعات پر قلم اُٹھایا تو لکھنے کا حق ادا کردیا۔

۱) **تحفۂ حفاظ :** عام طور حفاظِ کرام غیر عالم ہوتے ہیں اور انہیں نماز کے متعلق اہم مسائل کا علم نہیں ہوتا، اسی

ضرورت کے پیشِ نظر مولانا موصوف نے غیر عالم حفاظ، ائمۂ مساجد اور بالخصوص تراویح میں امامت کرنے والوں کے لئے نماز اور امامت کے مسائل عام فہم زبان میں مختصر بیان کئے۔ اس کتاب سے بہت سارے ائمۂ مساجد کو فائدہ ہو رہا ہے اور کافی حد تک امامت کے مسائل سے آگہی حاصل ہو جاتی ہے۔

۲) فضائل ومسائل قربانی : اس رسالہ میں مولانا مدظلہٗ نے قربانی سے متعلق مسائل وفضائل کے علاوہ ملاحدہ اور اسلام دشمن عناصر کے اعتراضات اور شکوک وشبہات کے جوابات بھی دیے ہیں۔

۳) الفقہ والفقہاء : اس کتاب میں مصنف نے فقہ کی لغوی اور اصطلاحی تعریف کے ضمن میں صوفیاءِ کرام، فقہاءِ عظام کی تعریفات بسط وتفصیل کیساتھ ذکر کیے ہیں۔ فقہاءِ سبعہ، ائمۂ کرام، فقہ حنفی کے متداول اور مشہور متون، قدوری، کنز الدقائق، شرح وقایہ اور ہدایہ اور ان کے مصنفین کے حالات، علمی کارنامے اور انکی اہمیت وافادیت کو اُجاگر کیا ہے۔ اس ضمن میں اساطینِ اُمت، صوفیاءِ کرام اور علماءِ اُمت کے حالات بھی آئے ہیں اور ضمناً فرقِ باطلہ کا تعاقب بھی ہے۔ گویا فقہ کے متعلق انسائیکلوپیڈیا ہے۔ ملک کے مشہور رسائل وجرائد میں اس پر تبصرے بھی شائع ہوئے ہیں' پہلا ایڈیشن ختم ہے، دوسرا ایڈیشن پریس بھیجا جارہا ہے، جسمیں علماءِ کرام کے آراء وتبصرے بھی شاملِ اشاعت ہیں

۴) فضائل ومسائلِ اعمال : یہ کتاب تاہنوز مسودہ ہے، غیر مطبوعہ ہے۔

مولانا مدظلہٗ اپنی دینی خدمات کے متعلق تحریر فرماتے ہیں :

''حقیقت یہ ہے کہ یہ اللہ کریم کا فضل، احسان اور مادرِ علمی مجم المدارس کلاچی اور دیوبند ثانی جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک اور اپنے اکابر اساتذۂ کرام جو حضور پُرنور ﷺ کے علوم کے امین اور صحیح ورثاء ہیں' کی برکات اور دُعاؤں کا ثمرہ ہے ورنہ میں تو من آنم کہ من دانم اور .....

نہ گلم نہ برگ سبزم نہ درختِ سایہ دارم　　ہمہ حیرتم کہ دہقان بچہ کار کشت مارا

حضرت مولانا مفتی غلام قادر نعمانی حقانی

آپ ۱۹۶۴ء میں سید محمود بن غلام رسول کے ہاں مہمند ایجنسی کے گاؤں خلوڑاک میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے بڑے بھائی مولانا فضل معبود حقانی سے حاصل کی اور درجہ ثانیہ سے درجہ تخصص فی الفقہ تک کی کتابیں مرکزِ علم جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک میں جید اساتذہ ومشائخ سے پڑھیں۔ آپ کے چند مشہور اساتذہ درج ذیل ہیں :

محدثِ کبیر شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ، شیخ الحدیث مولانا سمیع الحق مدظلہٗ، شیخ الحدیث مولانا محمد فرید مدظلہٗ، شیخ الحدیث مولانا ڈاکٹر سید شیر علی شاہ مدظلہ، شیخ الحدیث مولانا انوار الحق مدظلہٗ، شیخ الحدیث مولانا محمد مالک کاندھلوی، شیخ الحدیث مولانا محمد حسن جان شہیدؒ، شیخ الحدیث مولانا سرفراز خان صفدرؒ مولانا مفتی غلام الرحمٰن مدظلہٗ، شیخ الحدیث مولانا عبدالحلیم

المعروف دیر باباجی، شیخ الحدیث مولانا مغفور اللہ مدظلہٗ، مولانا عبدالقیوم حقانی اور مولانا صمل معبود حقانی وغیرہم۔

۱۹۸۶ء میں فراغت کے بعد دو سال میں ماہر اساتذہ کی نگرانی میں تخصص مکمل کیا، اور فراغت کے فوراً بعد ہی اساتذہ کے نظر شفقت نے ان کا انتخاب دارالعلوم حقانیہ میں بحیثیت مدرس کر دیا۔ تقریباً اٹھارہ سال سے دارالعلوم حقانیہ میں درجۂ عالیہ کے کتب پڑھانے کے ساتھ عرصہ گیارہ سال سے شعبۂ تخصص فی الفقہ کے استاد و نگران ہیں۔

علمی، فقہی اور تدریسی خدمات کے ساتھ تصنیف و تالیف کے شعبہ میں بھی نمایاں کارنامے سرانجام دیئے اور علمی حلقوں سے خوب پذیرائی حاصل کی۔ ذیل میں آپ کی قلمی کاوشوں کا مختصر تعارف پیش خدمت ہے۔

۱) ترجیح الراجح بالروایۃ فی مسائل الہدایۃ المعروف القول الراجح :

اس کتاب کے تبصرہ و تعارف میں مولانا عبدالقیوم حقانی رقمطراز ہیں :''حضرت مولانا مفتی غلام قادر نعمانی حقانی جامعہ دارالعلوم حقانیہ کے فاضل اور اپنی مادرِ علمی کی آغوش ہی میں اور اسی کے سایۂ رحمت تلے مدرس بھی ہیں اور مفتی بھی۔ دارالافتاء کے مسئول ہونے کے ساتھ ساتھ شعبۂ تخصص فی الفقہ کے رئیس بھی ہیں۔ جامعہ دارالعلوم حقانیہ کے اکابر و مشائخ، اساتذۂ کرام بالخصوص اُستاذی اور اُستاد العلماء حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہٗ کی توجہ و عنایت، اصاغر نوازی و علم پروری، تشجیع و ہمت افزائی کے پیش نظر موصوف عنفوانِ شباب ہی سے تدریس کیساتھ ساتھ علمی، تحقیقی اور قلمی میدان میں اُترے تو ایسا کام کر ڈالا جسے اس سے قبل صدیوں میں بھی نہ کیا جا سکا۔

القول الراجح ایک عظیم علمی، فقہی اور تحقیقی شہکار ہے۔ درسِ نظامی کی معروف و مقبول کتاب ''ہدایہ'' ایک معرکۃ الآراء درسی کتاب ہے۔ جسے پڑھتے اور پڑھاتے وقت احناف کے مسائل اختلافیہ میں ترجیح الراجح ایک معرکے کا کام اور اُمت کے ذمہ قرض بالخصوص علماءِ احناف پر اس کی ادائیگی فرض تھی۔

الحمد للہ! دارالعلوم حقانیہ کے فاضل و مدرس اور مفتی نے یہ فریضہ سرانجام دیا۔ مفتی صاحب ترجیح الراجح بالروایۃ فی مسائل الہدایۃ کے تحقیقی میدان میں ایسے اُترے کہ القول الراجح کی اپنی علمی استعداد و صلاحیت اور تحقیق کے مطابق تعیین کر دی ہے۔ موصوف اوّلاً اصل مسئلہ ذکر کرتے ہیں، پھر اختلاف ائمہ و فقہاء کا ذکر کر کے فیصلہ کن بات راجح اور مفتیٰ بہ قول نقل کر دیتے ہیں۔ (حقانی تبصرے ص:۴۳، ۴۴)

اتباعِ سنت اور مذہب حنفیت : اس کتاب میں مفتی صاحب نے تین مسائل پر مدلل و مفصل بحث فرمائی ہے۔

(۱) اتباعِ صحابہؓ ہدایت ہے ضلالت نہیں۔ (۲) تقلید اطاعت ہے شرک و بدعت نہیں۔ (۳) احناف کے اعمال سنت کے موافق ہیں مخالف نہیں۔ ۳۴۵ صفحات کے اس کتاب میں مفتی صاحب نے دلائل کے ساتھ ثابت کیا ہے کہ مذہب احناف سنت کے عین موافق ہے، مخالف نہیں۔

۳) مسائل سفر : ''مسائل سفر'' میں مفتی صاحب نے سفر کے احکامات، مسافروں کو پیش آنے

والے تمام مسائل وآداب کو باحوالہ ذکر کیا ہے۔ یہ کتاب عوام الناس کے لئے راہنماءِ سفر کا کام دے گی۔ بالخصوص تبلیغی جماعت کے احباب کے لئے اس کا مطالعہ اشد ضروری ہے۔

۴) زیارت الحرمین الشریفین : حضرت مفتی صاحب نے حرمین شریفین کا شوق افزوں تذکرہ فرمایا ہے، جس کے پڑھنے سے حرمین کی زیارات کا شوق دل میں موجزن ہوتا ہے۔ فضائل اور مسائلِ حج بھی بہت اچھوتے انداز میں بیان کئے ہیں۔

۵) مقالاتِ نعمانی : مقالاتِ نعمانی حضرت مفتی صاحب کے مقالات کا مجموعہ ہے جن میں آپ نے درج ذیل موضوعات پر قلم اُٹھایا ہے :

اجتماعی اجتہاد کا تصور، ماضی میں اجتہاد کی کاوشیں، فقہ حنفی کی عالمگیریت، قسطوں پر خرید وفروخت کی شرعی حیثیت، بیعہ کے کاغذات، رہن میں رکھنے کی شرعی حیثیت، اسلامی فوجداری نظام میں اعتدال، غیرت کے نام پر قتل اور اسلام کا نقطۂ نظر، مردہ انسان کے اعضاء کی قطع وبرید جائز نہیں، انیون کا کاروبار شریعت کی نظر میں اور مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہٗ کی آراء پر ایک نظر۔

ان میں سے اکثر مقالات الگ الگ رسائل کی شکل میں بھی شائع ہوئے ہیں، اور اب یکجا تمام مقالات کو مرتب کیا گیا ہے۔ اس طرح یہ متنوع جواہر پاروں کا حسین گلدستہ بھی ہے اور علم وعرفان کا بیش بہا گنجینہ وخزینہ بھی۔

۶) الفتاویٰ علماء البلاد في توحيد الصوم والأعياد المعروف وحدتِ عيدين و رمضان :

عام طور پر اکثر بلاد میں بالخصوص صوبہ سرحد میں عیدین ورمضان کا جو اختلاف پایا جارہا ہے۔ اس کی بنیادی وجہ اختلافِ مطالع کا اعتبار اور عدم اعتبار ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اختلافِ مطالع معتبر نہیں اور مفتی صاحب نے اس کتاب میں وحدتِ رمضان وعیدین کے دلائل ذکر فرمائے ہیں۔ اس موضوع پر اگرچہ علماء کے درمیان اختلاف پایا جارہا ہے مگر مفتی صاحب کی کتاب مثبت اور ٹھوس دلائل سے مبرہن ہے۔

اپنے دینی، فقہی، تصنیفی، تالیفی اور تدریسی خدمات کے بارے میں مفتی صاحب تحریر فرماتے ہیں: ''ایشیاء کی عظیم یونیورسٹی دارالعلوم حقانیہ کا فیض ساٹھ سال سے اطراف عالم میں جاری وساری ہے اور ان شاء اللہ تا قیامت جاری رہیگا۔ اللہ تعالیٰ اس ادارے کو مزید ترقی سے سرفراز یں۔ بندہ بھی الحمدللہ جامعہ حقانیہ کا ایک ادنیٰ طالبعلم ہے اور بندہ پر اس جامعہ کا عظیم احسان یہ ہے کہ اس نے علم دین کا درس دیا اور حق وصداقت کا راستہ بتادیا ــــ علاوہ ازیں بندہ ناچیز پر اپنے اساتذۂ کرام حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہٗ اور مولانا انوارالحق صاحب مدظلہٗ کا خصوصی احسان اور نظر شفقت ہے کہ انہوں نے بندہ کو اس عظیم درسگاہ علوم نبوت میں دین کی خدمت کا موقع عطا فرمایا۔ بندۂ ناچیز میں اپنا کوئی کمال نہیں جو کچھ بھی ملا ہے تو وہ حقانیہ سے ملا ہے اور اپنے اساتذہ سے قرب کی برکت سے ملا ہے''۔

مولانا ضیاء الرحمٰن الکوثری

آپ باجوڑ ایجنسی کے نواحی علاقہ کوثر میں مولانا عبدالباقی بن مولانا محمد صدیق کے ہاں ذی الحجہ ۱۳۲۴ھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد محترم اور مولانا عبدالحق بسوری سے حاصل کی۔ دارالعلوم حقانیہ سیدو شریف سوات میں مولانا محمد ادریس چکیسری، مولانا رحیم اللہ اور مولانا عبداللہ کوہستانی سے استفادہ کیا۔ جامعہ اسلامیہ اکوڑہ خٹک اور طورو مردان میں بھی مختلف اساتذہ سے کسب فیض حاصل کرنے کے بعد غنیۃ القاری شرح صحیح البخاری (غیر مطبوع) کے مصنف وشارح مولانا عبدالخالق صاحب سے ماموند باجوڑ میں شرف تلمذ حاصل کیا۔

دورۂ حدیث پہلی مرتبہ ۱۹۶۶ء میں جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن میں پڑھا، بعدازاں شیخ الحدیث مولانا قاضی شمس الدینؒ گوجرانوالہ سے کچھ حصہ بخاری ومسلم پڑھا۔ ۱۹۷۹ء میں دارالعلوم حقانیہ میں دورۂ حدیث کے لئے داخلہ لیا اور یہاں کے اساتذۂ حدیث محدث کبیر شیخ الحدیث مولانا عبدالحق، مولانا محمد علی سواتی، شیخ الحدیث مولانا سمیع الحق، مولانا ہاروت بابا، مولانا عبدالحلیم ویروی، مولانا عبدالحلیم زروبوی رحمہم اللہ سے استفادہ کیا۔

فراغت کے بعد درس وتدریس کے شعبے سے منسلک ہوئے اور تاحال خدمات انجام دے رہے ہیں۔

تصنیف وتالیف : درس وتدریس کیساتھ مولانا کوثری نے تصنیف وتالیف کیلئے بھی وقت نکالا اور کئی اہم موضوعات پر لکھا، مگر اب تک وسائل کی کمی کے باعث مروجہ طباعت کی صورت میں منظر عام پر نہ آسکیں۔ مولانا موصوف کی طرح شمالی علاقہ جات اور ایجنسیوں میں سینکڑوں فضلاء حقانیہ اور علماء ہیں، جنکی اہم علمی، بالخصوص درسی افادات اور تصنیفات جو نہایت علمی ہیں، طباعت کی منتظر ہیں، مگر ان سے فوٹو در فوٹوں کی صورت میں طلبا مسلسل استفادہ کررہے ہیں

۱) جهد المقل في حل صور الميراث المتعلقة بمتن السراجي :

یہ درسِ نظامی میں پڑھائی جانے والی علمِ میراث کی مشہور ومتداول کتاب سراجی کی شرح ہے۔ مولانا رمضان وشعبان میں دورۂ میراث پڑھاتے ہیں اور طلباء اس سے فوٹو کاپی کرتے اور بھرپور استفادہ کرتے ہیں۔

۲) گوهر منظوم في الابواب : علمِ صرف میں خاصیاتِ ابواب کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔ مولانا نے مبتدی طلباء کیلئے ابواب کے خاصیت کو نظم کی صورت میں ذکر کیا ہے، جس سے خاصیت کا لفظ اور استعمال آسان ہوجاتا ہے۔

۳) هداية الحجاج الى الفجاج في احكام الحج :

حجاج کرام کی آسانی کے لئے احکام حج ومناسک کو آسان اور انوکھے انداز میں ترتیب دیا گیا ہے۔

۴) حل صور الميراث المتعلقه بالشريفيه : شریفیہ علمِ میراث کی متداول کتاب ہے۔ مولانا نے شریفیہ کے مختلف مسائل کی صورتوں کا آسان، عام فہم حل نکالا ہے۔

اس کے علاوہ مولانا نے اپنے اساتذہ سے مختلف کتابوں کے تقاریر وافادات بھی قلمبند کئے ہیں۔

جناب شفیق الدین فاروقی

دارالعلوم کے شب وروز

دارالعلوم کے نئے تعلیمی سال ۳۱-۱۴۳۰ھ ۱۰-۲۰۰۹ء کے داخلوں کا شیڈول

درس نظامی

درجات	ایام	تاریخ
تمام درجات کے قدیم طلباء (اعدادیہ تا دورہ حدیث)	بدھ	۹شوال / 30 ستمبر ۲۰۰۹ء
قدیم فارموں کی پڑتال	جمعرات	۱۰شوال / 01 اکتوبر ۲۰۰۹ء
تعطیل	جمعہ	۱۱رشوال 02 اکتوبر ۲۰۰۹
جدید دورہ حدیث	ہفتہ	۱۲ رشوال 03 اکتوبر ۲۰۰۹ء
جدید دورہ حدیث	اتوار	۱۳رشوال 04 اکتوبر ۲۰۰۹ء
موقوف علیہ۔ تکمیل	پیر	۱۴رشوال 05 اکتوبر ۲۰۰۸۹ء
سادسہ۔ خامسہ۔ رابعہ	منگل	۱۵رشوال 06 اکتوبر ۲۰۰۹ء
ثالثہ۔ ثانیہ۔ اولیٰ۔ متوسطہ۔ اعدادیہ	بدھ	۱۶رشوال 07 اکتوبر ۲۰۰۹ء **افتتاح**

شعبہ حفظ

درجہ حفظ میں داخلہ کے خواہشمند طلباء کی درخواستیں ۱۵ رمضان سے ۱۵ شوال تک دفتر اہتمام میں جمع کی جائیں گی۔ حفظ کے خواہشمند طلباء ٹیسٹ اور انٹرویو وغیرہ کیلئے 06-07 / اکتوبر بروز منگل و بدھ صبح 9:00 کو دارالعلوم حقانیہ بلائیں گے۔ (امسال شعبہ حفظ کا داخلہ دارالعلوم حقانیہ کی تعلیمی کمیٹی اور دارالحفظ کے اساتذہ کی مشترکہ نگرانی میں ہوگا)۔ صرف وہ امیدوار درخواست دیں جو قرآن ناظرہ سے پڑھ چکے ہوں۔ عمر ۱۳ سال سے متجاوز نہ ہو۔ دو پارے پہلے سے یاد کرنے والوں کو ترجیح دی جائے گی۔

درجہ تخصص في الفقه الاسلامي والافتاء و تخصص في الحديث

درجہ تخصص فی الفقہ الاسلامی والافتا وتخصص فی الحدیث کیلئے داخلہ درخواست ۹رشوال 30 ستمبر تا ۱۴رشوال 5 / اکتوبر اور امتحان بروز پیر ۱۴رشوال بمطابق 05 / اکتوبر صبح 10 بجے ہوگا۔

نوٹ: ۱ (۱) تخصص فی الفقہ الاسلامی والافتاء کا دورانیہ 2 سال ہوگا۔

نوٹ: ۲ امسال درجہ اعدادیہ سے لیکر بشمول درجہ سادسہ اسباق اردو میں بھی پڑھائے جائیں گے۔ لہذا اردو زبان سمجھنے والے طلباء کرام داخلہ لے سکتے ہیں۔ درجہ متوسطہ میں وہ طلباء داخلہ لینگے جو کہ ساتویں جماعت پاس ہو۔

نوٹ: ۳ حسب سابق دارالعلوم حقانیہ کے کتب میں داخل شدہ طلباء میں جو طلباء قراۃ والتجوید میں داخلہ لیں گے، مقررہ اوقات میں قراۃ وتجوید پڑھایا جائے گا اور آخر میں کامیاب طلباء کو سند دی جائے گی۔

(دارالعلوم حقانیہ کے نئے تعلیمی سال کا باضابطہ آغاز ان شاء اللہ 07 / اکتوبر ۲۰۰۹ء بروز بدھ ہوگا)

دارالعلوم کی مجلس شوریٰ کا اہم اجلاس:

۲۱ رجون بروز اتوار ۲۰۰۹ء کو جامعہ دارالعلوم حقانیہ کا مجلس شوریٰ کا سالانہ اجلاس حضرت مولانا عبدالحنان صاحب کی زیر صدارت منعقد ہوا۔ تلاوت قران مجید کے بعد نائب مہتمم حضرت مولانا انوار الحق صاحب مدظلہ نے مہمانوں کو خوش آمدید کہا اور شوریٰ کے اغراض ومقاصد اور ایجنڈ اپیش کیا۔ بعد میں باضابطہ طور پر حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ مہتمم جامعہ نے سال ۳۰-۱۴۲۹ھ کے آمد وخرچ کا تفصیلی میزانیہ پیش کرتے ہوئے جامعہ حقانیہ کے ملکی ملی ودینی خدمات پر سیر حاصل روشنی ڈالی اور ادارہ ہذا کی قبولیت عامہ روز افزوں ترقی کو اللہ کا خصوصی انعام اور جامعہ کے بانی اور اس کے مخلص ساتھیوں اور معاونین کا عظیم کارنامہ قرار دیا۔

سال گزشتہ کے آمد اور اخراجات کے بعد سال ۱۴۳۰ھ کیلئے مطلوبہ بجٹ جو کہ سال کے لازمی اور روزمرہ کے اخراجات پر مشتمل تھا' شوریٰ کے سامنے پیش فرمایا۔ اس کے علاوہ ادارہ کے بعض اہم ترین اور فوری نوعیت کے عزائم ومنصوبے مثلاً وسیع وعریض جامع مسجد کی ضرورت' جدید ڈسپنسری کا قیام' مدرسہ حاجرۃ للبنات کا آغاز' اساتذہ و عملہ کے مشاہرات میں اضافہ' نئے کمپیوٹرز کے حصول' اساتذہ ودیگر ملازمین کے رہائشی مکانات کی تعمیر کی طرف اراکین شوریٰ کو متوجہ فرمایا۔ اراکین شوریٰ نے دارالعلوم حقانیہ کے کارہائے نمایاں کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے اپنے بہترین آراء وتجاویز سے ادارہ کے منتظمین کو نوازا۔ اس عزم کا اظہار فرمایا کہ حقانیہ کی مزید ترقی واستحکام کے لئے ہم ایک بار پھر حضرت شیخ الحدیثؒ کے مخلص رفقاء کا کردار ادا کرنے کی کوشش کریں گے۔ شوریٰ نے سالانہ بجٹ کے منظوری کے ساتھ آئندہ عزائم کے ابتدائی اخراجات کے طور پر منظوری توکلا علی اللہ بامید آمد اس یقین کے ساتھ دی کہ اللہ تعالیٰ اہل خیر کے ذریعہ اس کے مہیا کرنے کی صورتیں پیدا فرماویں گے۔ بعد میں مہمانوں کی ضیافت کیلئے ظہرانے کا انتظام کیا گیا۔

تعلیم القرآن حقانیہ ہائی سکول میں تقسیم انعامات اور تعلیمی کمیٹی کا قیام:

۲۶ راپریل بروز اتوار کو حضرت مولانا سمیع الحق صاحب کے زیر صدارت تعلیم القرآن حقانیہ ہائی سکول میں تقسیم انعامات کی تقریب ہوئی۔ جس میں نمایاں پوزیشن حاصل کرنے والے طلباء کو انعامات دیئے گئے۔ امسال حضرت مہتمم صاحب نے سکول کے نظام تعلیم وتربیت کو بہتر اور معیاری بنانے کیلئے ایک تعلیمی کمیٹی تشکیل دی جس کے ممبران جناب افسر بہادر خٹک' مولانا مفتی مختار اللہ' مولانا راشد الحق اور مولانا عرفان الحق ہیں۔ یہ کمیٹی ہر زاویے اور پہلو سے اس شعبہ کی ترقی کیلئے مشاورت کر کے عملی اقدامات اٹھانے میں مصروف ہے۔ اقدامات بالا کے نتیجے میں بورڈ کے سالانہ امتحانات میں سکول کا رزلٹ کافی اچھا اور بہتر رہا۔

BBC ورلڈ نیوز ٹیم کی دارالعلوم آمد: بی بی سی کے پاکستان کے لئے نئے مقرر ہونے والے نمائندہ پروڈیوسر

رچرڈ کولبرن اپنی ایک بڑی ٹیم کے ہمراہ حضرت مہتمم صاحب مدظلہ سے موجودہ ملکی اور بین الاقوامی نازک صورتحال پر تفصیلی انٹرویو لینے کے لئے تشریف لائے۔ انٹرویو میں مہتمم صاحب مدظلہ نے انہیں تفصیل سے موجودہ حالات سے آگاہ کیا۔ یہ انٹرویو بی بی سی ورلڈ نیوز سروس نے گزشتہ دنوں دنیا بھر میں دکھایا۔

وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے امتحانی کمیٹی کا اجلاس:

وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے امتحانی کمیٹی کا اجلاس مرکزی دفتر ملتان میں ۲ جولائی ۲۰۰۹ء کو حضرت مولانا انوار الحق حقانی نائب صدر وفاق کی صدارت میں منعقد ہوا۔ جس میں ۱۸/ جولائی سے تمام پاکستان میں بیک وقت شروع ہونے والے سالانہ امتحان کے بارہ میں اہم امور پر غور اور فیصلے کئے جن میں بعض ضروری امور

(۱) سوات، مالاکنڈ، بونیر، دیر، باجوڑ، ہنگو اور دونوں وزیرستان میں آپریشن سے متاثرہ امتحانی مراکز میں درپیش مشکلات پر طویل بحث کے بعد فیصلے کئے گئے۔ متبادل مراکز کے بارہ میں تجاویز کا اعلان عنقریب ملکی اخبارات اور مرکزی دفتر وفاق سے جاری کردیئے جائیں گے۔ (۲) پرچہ جات کا معائنہ جدید ممتحنین کا تقرر اور سابقہ پر نظر ثانی (۳) امتحانات ۱۴۳۰ھ کے انتظامات کا جائزہ (۴) دوران جانچ پڑتال امتحانی کمیٹی کے اراکین کے اوقات کی تقسیم (۵) ممتحنین اور نگران عملہ کے لئے حق الخدمت کے لئے مجلس عاملہ کے اجلاس کی روشنی میں غور وفکر اور دیگر امور پر کافی بحث ہوئی۔

متاثرین کے احوال نائب صدر حضرت مولانا انوار الحق حقانی اور ناظم وفاق حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب نے بیان کئے۔ امسال مجموعی طور پر سالانہ امتحان میں دو لاکھ دو ہزار طلباء جن میں ۵۶۰۰۰ طلباء وطالبات درجہ حفظ اور ایک لاکھ چھیالیس ہزار طلباء وطالبات، دینی وعصری علوم کے درجات کتب کے امتحان میں شرکت کررہے ہیں۔ رول نمبر سلپ بھجوائے گئے ہیں۔ امتحانی سنٹر سے متعلقہ فائل وضروری ہدایات ہر نگران اعلیٰ کو ارسال کردیئے گئے۔ بحمد اللہ حسب سابق امسال بھی دورۂ حدیث شریف یعنی عالیہ میں جامعہ دارالعلوم حقانیہ کے طلباء کی تعداد دیگر جامعات کے نسبت سے سب سے زیادہ ہے۔ موسم کی خرابی کی وجہ سے امیر محترم شیخ الشیوخ حضرت مولانا سلیم اللہ خان مدظلہ اجلاس کے اختتام پر دفتر پہونچے۔ تمام فیصلے ان کو پیش کرکے ان کی بعض اہم تجاویز شامل کرنے اور دعوات سے اجلاس اختتام پذیر ہوا۔

جناب نثار محمد ناظم الحق کا عمرہ: دارالعلوم کے ناظم الحق نثار محمد اپنی اہلیہ سمیت ۱۵ جون کو عمرہ کی ادائیگی کے لئے حرمین شریفین گئے۔ عمرہ اور زیارات مقدسہ کے بعد گزشتہ دنوں ۳۰ جون کو بخیر وعافیت واپسی ہوئی۔

خانوادہ حقانی کو صدمہ: شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ کے بہنوئی اور چچازاد بھائی جناب خلیل الرحمٰن

صاحبؒ مختصر علالت کے بعد گزشتہ دنوں ۸۵ برس کی عمر میں انتقال فرما گئے۔ موصوف خانوادہ حقانی کے معمر ترین بزرگوں میں سے تھے۔ آپ انتہائی فعال، متحرک، عبادت گزار، دبنگ بارعب شخصیت کے حامل تھے۔ دارالعلوم حقانیہ کے ساتھ اخلاص ومحبت آپ کے دل میں رچی بسی ہوئی تھی۔ آپ بنیادی طور پر تجارت سے وابستہ تھے۔ جنازہ دارالعلوم حقانیہ کے صحن میں نماز جمعہ سے قبل پڑھایا گیا۔ اور اپنے آبائی قبرستان میں آپ کی تدفین کی گئی۔ آپ کے پسماندگان میں انجینئر ہدایت الرحمٰن اور جناب ظہور الرحمٰن فرزندان ہیں۔ قارئین سے ان کے رفع درجات کے لئے خصوصی درخواست ہے۔

شیخ الحدیثؒ اور خانوادہ حقانی کی خادمہ کی وفات:

شیخ الحدیث اور خانوادۂ حقانی کی قدیم اور مخلص خادمہ بیوہ نور محمد مرحوم مختصر علالت کے بعد ۲۷/ جون کو انتقال کر گئیں۔ موصوفہ نے ایک عرصے تک دارالعلوم کے ابتدائی زمانہ میں مدرسین اور عملہ کیلئے کھانا پکانے کی ذمہ داری انجام دی تھیں۔ نماز جنازہ دارالعلوم میں بعد نماز عشاء ادا کی گئی۔ گزشتہ دو عشروں سے مرحومہ الحاج اظہار الحق صاحب، ناظم حقانیہ کے گھر میں مقیم تھیں۔

حضرت مولانا ابن الحسن عباسی مدظلہ کی والدہ ماجدہ کا انتقال:

جامعہ فاروقیہ کراچی کے استاذِ حدیث، ماہنامہ وفاق المدارس کے مدیر اور ملک کے نامور ادیب، مصنف، کالم نگار حضرت مولانا ابن الحسن عباسی مدظلہ کی والدہ ماجدہ گزشتہ دنوں انتقال فرما گئیں۔ مرحومہ انتہائی عابدہ، زاہدہ اور پاکباز خاتون تھیں۔ مولانا عباسی مدظلہ کے ساتھ انہیں بڑا لگاؤ تھا۔ مولانا مدظلہ بھی اپنی والدہ ماجدہ کو بہت چاہتے تھے۔ اور کئی ایک کتابوں کا انتساب بھی انہی کے نام کیا تھا۔ ادارہ آپ کے غم میں برابر کا شریک ہے۔

مولانا قاری اخلاق احمد کو صدمہ:

حضرت مولانا قاری محمد امینؒ کی صاحبزادی اور جناب غلام علی کی اہلیہ، قاری اخلاق وقاری حسنات کی ہمشیرہ طویل علالت کے بعد انتقال فرما گئیں۔ قارئین سے ان کے رفع درجات کی دعاؤں کی درخواست ہے۔

شعبہ تخصص فی الفقہ کے طالب علم عابد عثمان کی وفات:

دارالعلوم کے شعبہ تخصص فی الفقہ کے طلب علم اور شعبہ کمپیوٹر کے استاذ مولوی عابد عثمان ۱۹ جون کو کوہاٹ میں سڑک کے حادثہ میں انتقال فرما گئے۔ تعزیت اور دعائے مغفرت کے لئے اساتذہ اور طلباء کا ایک وفد ان کے آبائی گاؤں شکر درہ کوہاٹ گیا۔ دارالعلوم میں بھی اجتماعی دعائے مغفرت ورفع درجات کی گئی۔

ادارہ

تعارف تبصرہ کتب

ماہنامہ القاسم نوشہرہ، خصوصی اشاعت شہید اسلام شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد حسن جان شہیدؒ

ضخامت: ۶۱۳ صفحات قیمت: درج نہیں ناشر: جامعہ ابوھریرہ خالق آباد نوشہرہ صوبہ سرحد

۲۰۰۷ء جبکہ مقدس مہینہ رمضان المبارک کا دوسرا دن تھا اور اسلامیان پاکستان افطار کے قرب کیوجہ سے اللہ کے حضور دعا ومناجات میں مصروف تھے کہ عین اسی وقت چند نامعلوم ظالم قاتلوں نے عالم اسلام کے بطل جلیل عرب وعجم کے مسلمانوں کے سرمایہ افتخار اور عظیم الشان علمی وعبقری شخصیت جن کو اللہ تعالیٰ نے بہت سے اوصاف جلیلہ اور خصوصی امتیازات سے نوازا تھا استاذ العلماء شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا الحافظ محمد حسن جان المدنی قدس سرہ کو شہید کرڈالا۔ ایک ایسی شخصیت اور فرشتہ سیرت ہستی کو قتل کرنا جن کو اگر پھول سے بھی مارا جائے تو طبیعت اس کو گوارا نہیں کرتی تھی چہ جائیکہ اسکو اسلحہ سے قتل کیا جائے معلوم نہیں کہ یہ سفاک قاتل کس طرح آپ کے قتل پر آمادہ ہوئے قاتلوں نے اس عظیم سرمائے کو ہم سے ہمیشہ کے لئے چھین لیا آپ کی شہادت کا واقعہ فاجعہ اس قدر دہشت خیز اور اندوہناک تھا کہ اس پر تمام عام اسلام ملک اور بیرونی ملک صفت ماتم بچھ گئی اور پھر دوسرے دن آپ کی نماز جنازہ میں لاکھوں افراد کی شرکت نے آپ کو تاریخ میں ہمیشہ کے لئے امر کرلیا۔

مولانا عبدالقیوم حقانی مدیر ماہنامہ ''القاسم'' نوشہرہ کو اللہ تعالیٰ نے یہ سعادت بخشی ہے کہ انہوں نے اپنے موقر جریدہ ''القاسم'' کو ایسی عظیم شخصیات پر خصوصی اشاعتیں نکالنے کیلئے وقف کررکھا ہے اور انتہائی قلیل عرصے میں اس کے کئی ضخیم نمبرات منصۂ شہود پر آئے ہیں۔ زیر تبصرہ خصوصی اشاعت بھی اسی زرین سلسلہ کی ایک کڑی ہے اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس میدان میں گوئے سبقت لے جانے کی سعادت سے بھی نوازا کہ سب سے پہلے شہید مظلوم پر ضخیم نمبر مجلہ ''القاسم'' کا نکالا اور یوں اپنے استاد اور شیخ کے ساتھ اپنی عقیدت ومحبت کا اظہار فرمایا۔

مضامین کے انتخاب اور حسن معیار میں آپ کی محنت سطر سطر اور ورق ورق سے جھلکتی ہے حضرت الشیخ شہید کے تلامذہ اور دیگر اہل علم اور اہل ذوق حضرات کے لئے یہ بہت بڑی سوغات اور علمی تحفہ ہے ادارہ اس عظیم اور مبارک کام پر مولانا حقانی کو ہدیہ تبریک پیش کرتا ہے۔

کتاب: الهادی الی حل السراجی مؤلف: مولانا مفتی سردار ولی صالح زئی

ضخامت: ۲۴۸ صفحات۔ قیمت: درج نہیں ناشر: مکتبہ العلوم سلام مارکیٹ' بنوری ٹاؤن کراچی۔

ملنے کا پتہ: قدیمی کتب خانہ آرام باغ کراچی۔

علم میراث انتہائی اہم علم مسلم ہے اس کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام احکام اجمالی طور پر نازل فرمائے ہیں اور ان کی تفصیل رسول اللہ ﷺ کے حوالے کردی گئی ہے لیکن علم میراث کی تمام تر تفصیلات اور جزئیات حق تعالیٰ نے قرآن کریم میں خود بیان فرمائی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی فضیلت اور اہمیت مختلف اوقات میں واضح فرمائی ہے اور اس کے سیکھنے اور سکھانے کی ترغیب دی ہے مثلاً **تعلموا الفرائض کما تتعلمون القرآن تعلموا الفرائض و علموها الناس فانها نصف العلم** یعنی تم فرائض (علم میراث) ایسے اہتمام سے سیکھو جیسے قرآن کریم سیکھتے ہو۔ اور آپ علم فرائض سیکھیں' خود بھی اور دوسروں کو بھی سکھائیں کیونکہ یہ آدھا علم ہے ___ سراجی علم میراث کی مشہور کتاب ہے جو کہ عرصہ دراز سے مدارس دینیہ میں متدارس چلی آرہی ہے چونکہ دیگر علوم مثلاً صرف ونحو اور منطق وغیرہ کی بڑی کتابوں کے پڑھنے سے پہلے ان کی مبادیات کی کتابیں پڑھائی جاتی ہیں جسکے ذریعہ تدریجاً ان علوم کے سیکھنے میں طالب علم کیلئے آسانی پیدا ہوتی ہے لیکن علم میراث میں سراجی سے پہلے کوئی کتاب نہیں پڑھائی جاتی۔ اسلئے ضرورت اس امر کی تھی کہ اس مغلق علم کو عام فہم انداز میں طلبہ کے سامنے پیش کیا جائے چنانچہ مولانا مفتی سردار ولی صاحب نے انتہائی عام فہم انداز میں اور جامعیت کیساتھ نہ صرف اس زیر نظر کتاب میں سراجی کی تشریح کی ہے بلکہ میراث کے متعلق اکثر مباحث زیر بحث لائے ہیں۔ اس زیر تبصرہ شرح کی مزید خصوصیات یہ ہیں' عبارت پر اعراب' عبارت کا سلیس وعام فہم ترجمہ اور مختصر مگر جامع تشریح۔ (۲) سراجی کی مشہور شرح شریفیہ اور مختلف کتب فتاوی وفرائض سے استفادہ کیا گیا۔ اور جگہ جگہ اس کے حوالے بھی دیئے گئے۔ (۳) ذوی الفروض کے احوال مع حصر اور جدول کی شکل میں لکھے گئے ہیں۔ (۴) طوالت اور اطناب سے ممکن حد تک اجتناب کیا گیا ہے (۵) ہر مسئلہ کا حل بھی تحریر کیا گیا ہے وغیرہ۔ ___ مؤلف کی کاوش کی تحسین کرنی ضروری ہے کیونکہ انہوں نے انتہائی محنت اور عرقریزی سے علم میراث اور فرائض سیکھنے والے طلبہ پر بہت بڑا احسان کیا ہے کہ ایک ایسی شرح ترتیب دی جو کہ عام فہم بھی ہے اور مختصر بھی۔ سراجی پڑھنے والوں کے لئے اس کا مطالعہ کرنا ازحد ضروری ہے۔

ماہنامہ

حکمتِ بالغہ

جھنگ

کے خاص نمبر جو اپنی نوعیت کے منفرد مندرجات اور فکر انگیز مواد کے حامل ہیں

حقیقت انسان نمبر	دسمبر 07ء
حقیقت علم نمبر	اگست 08ء

کے بعد عصر حاضر کا تقاضا

احیاء العلوم نمبر — مئی 09ء

مشمولات

فرمان خداوندی — حرف آرزو

پہلا حصہ: احیاء العلوم کیا ہے؟

دوسرا حصہ: احیاء العلوم کیوں ضروری ہے؟

تیسرا حصہ: احیاء العلوم کیسے ممکن ہے؟

چوتھا حصہ: ریاست، نظامِ تعلیم، معلم

اہل علم و اہل ذوق حضرات کے ہاتھوں میں پہنچنے کے منتظر ہیں

محدود تعداد میں میسّر ہیں اور درج ذیل پتہ سے حاصل کئے جاسکتے ہیں

فی شمارہ ساٹھ روپے کے ڈاک ٹکٹ (ایک ایک روپے والے) بھیج کر طلب فرمائیں

ماہنامہ

حکمتِ بالغہ

جھنگ

قرآن اکیڈمی

لالہ زار کالونی نمبر 2 ٹوبہ روڈ جھنگ صدر

فون: 047-7628561-7628361

یکم شعبان تا 19 رمضان المبارک

بمقام دارالعلوم مدنیہ رسول پارک ملتان روڈ لاہور

دورۂ تفسیر قرآن

باسلوب امام شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ محدث دہلوی

شیخ الحدیث والتفسیر
حضرت مولانا
مفتی محمد عیسیٰ خان مدظلہ

مع معاون مدرسین پڑھائیں گے۔ انشاء اللہ

موضوع سورۃ، دعاوی، دلائل، ہر سورۃ کا ماحصل، سورتوں کا باہمی ربط
احکام واستنباط، اعتبار وتاویل، سیاست، امامت وخلافت

پیش آمدہ جدید فقہی مسائل ودیگر اہم مباحث

ضروری وضاحت

طالب علم درجہ رابعہ کی تعلیم حاصل کر چکا ہو، ہر ہفتہ کے خواندہ کا تحریری امتحان ہوگا۔

سابق مدرسہ سے تعلیمی تصدیق نامہ اور قومی شناختی کارڈ ذاتی / والد/ سرپرست ہمراہ لائیں

اجمالی تعارف دارالعلوم مدنیہ لاہور

☆ دارالعلوم مدنیہ کی مسجد کا سنگ بنیاد ۳ ذیقعدہ ۱۳۹۷ھ بمطابق 14 اکتوبر 1977ء بروز اتوار وقت کے مشاہیر علماء کرام ومشائخ کرام کے مبارک ہاتھوں رکھا گیا۔

☆ ابتدائی پانچ سال بانی مدرسہ حضرت مولانا محب النبی صاحب زید مجدہ تمام تدریسی وانتظامی ذمہ داریاں تنہا سرانجام دیتے رہے۔

☆ 1996ء، 1417ھ کو شعبان اور رمضان میں دورہ تفسیر کا آغاز ہوا جو مسلسل جاری ہے۔

☆ دارالعلوم میں داخل طلباء کی تعداد تین سو سے متجاوز ہے۔

☆ دارالعلوم میں مقیم طلباء کو رہائش، طعام، لباس، علاج، درسی کتب بستر وغیرہ تمام سہولیات مدرسہ کی طرف سے مفت فراہم کی جاتی ہے۔

☆ سالانہ اخراجات کا تخمینہ 70 لاکھ سے زائد ہے۔ تعمیراتی اخراجات اس کے علاوہ ہیں۔ دارالقرآن والے احاطہ میں تعمیر جاری ہے۔

☆ تمام اخراجات اہل خیر کے تعاون سے پورے ہوتے ہیں۔ مدرسہ کی مستقل آمدنی کا کوئی ذریعہ نہیں اور نہ ہی مدرسہ کی طرف سے کوئی سفیر اندرون شہر یا بیرون شہر متعین ہے اور نہ ہی مدرسہ کسی حکومتی ادارے محکمہ زکوٰۃ وغیرہ سے تعاون لیتا ہے۔ اہل خیر خود ہی تعاون فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

منجانب: اراکین دارالعلوم مدنیہ رسول پارک لاہور فون: 042-7832305 0321-4110310

پہنچنے کا راستہ: یادگار چوک سے ویگن نمبر 107، اسٹیشن سے ویگن نمبر 105، کوکا کولا موڑ، مغرب کی طرف گلی میں

Brands Icon Award 2008 given to Rooh Afza

کامیابی کا یہ قصّہ نیا نہیں
پھر بھی اتنا ہی تازہ ...

اور اس سال Brands Icon Award کا اعزاز اس قصّے کا ایک تازہ ترین باب ہے
جو کہ پاکستان کے صرف سات منفرد برانڈز کو نوازا گیا ہے۔
ایک ایسے برانڈ کے لئے جس نے سو سال سے اپنے اعلیٰ معیار کو مسلسل برقرار رکھا ہوا ہے
یہ اعزاز جیسے روز کی بات ہو۔ گو کہ ہر بار یہ خبر اتنی ہی تازہ ہوتی ہے جیسے کہ دنیا کا سب سے
بہترین روایتی مشروب ... روح افزا

Brands of the Year Award 2008

Consumers Choice Award 2008

Merit Export Award 2007-2008

Brands of the year Award 2008
BRANDS PRIDE OF PERFORMANCE
WWW.BRANDSAWARD.COM

ہمدرد
ہمدرد لیبارٹریز (وقف) پاکستان
ISO 9001: 2000 & ISO 22000: 2005 CERTIFIED

Tel: (009221) 6616001-4. E-mail: headoffice@hamdard.com.pk, www.hamdard.com.pk

Blitz DDB

Regd No. P-90 Monthly "Al-Haq" Akora Khattak

مطبوعات مؤتمر المصنفین جامعہ حقانیہ

نمبر شمار	نام کتاب	تصنیف	افادات	صفحات
۱	حقائق السنن شرح جامع السنن للترمذیؒ	حضرت مولانا سمیع الحق	شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ	۵۳۶
۲۔	دعواتِ حق ۔ (مکمل دو جلد)	" " "	" " " " "	۱۱۹۲
۳۔	قومی اسمبلی میں اسلام کا معرکہ	" " "	" " " " "	۴۰۰
۴۔	عبادات وعبدیت	" " "	" " " " "	۸۸
۵۔	مسئلہ خلافت وشہادت	" " "	" " " " "	۱۰۴
۶۔	صحبتے با اہل حق (مجلد)	مولانا عبدالقیوم حقانی	" " " " "	۴۰۸
۷۔	اسلام اور عصر حاضر (مجلد)	حضرت مولانا سمیع الحق	حضرت مولانا سمیع الحق	۴۶۰
۸۔	قرآن حکیم اور تعمیر اخلاق	" " "	" " " " "	۹۶
۹۔	کاروان آخرت (مجلد)	" " "	" " " " "	۴۴۶
۱۰	شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ خصوصی نمبر	مولانا عبدالقیوم حقانی	" " " " "	۱۲۰۰
۱۱۔	قادیانیت اور ملت اسلامیہ کا موقف	حضرت مولانا سمیع الحق	" " " " "	۲۰۸
۱۲	قادیان سے اسرائیل تک	" " "	" " " " "	۲۲۴
۱۳۔	قومی اور ملی مسائل پر جمعیت کا موقف	" " "	" " " " "	۔
۱۴۔	میری علمی اور مطالعاتی زندگی (مجلد)	" " "	" " " " "	۵۶۰
۱۵۔	روسی الحاد	" " "	" " " " "	۲۲۰
۱۶۔	فتاوی حقانیہ	مولانا مفتی مختار اللہ	حضرت شیخ الحدیث ومفتیان حقانیہ	۳۶۰۰
۱۷۔	خطبات حق	" " "	حضرت مولانا سمیع الحق	۴۵۰
۱۸	نظام اکل وشرب	" " "	" " " " "	۴۵۰
۱۹۔	صلیبی دہشت گردی اور عالم اسلام	مولانا عبدالقیوم حقانی	" " " " "	۵۰۰
۲۰۔	زین المحافل (شرح شمائل ترمذی) جلد دو	مولانا اصلاح الدین	" " " " "	۱۰۵۵
۲۱	مروجہ کرنسی کیلئے معیار نصاب سونا یا چاندی	مولانا مفتی مختار اللہ	مولانا مفتی مختار اللہ	۱۰۰
۲۲	انوارِ حق (جلد اول)	حافظ سلمان الحق حقانی	حضرت مولانا انوار الحق حقانی	۲۶۰

مؤتمر المصنفین ○ جامعہ دار العلوم حقانیہ ○ اکوڑہ خٹک